

July-September 2026

بیادگار: مخدوم العالم قطب بنگال، گنج نبات

شیخ عمر علاء الحق پنڈوی

سہ ماہی

پیغامِ مصطفیٰ

اتر دیناجپور

- چرخ صحافت کا نیر تاباں غروب ہوگیا
- حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی: مدیر باتدبیر
- قرآن کے علمی وفنی محاسن
- طلبۂ مدارس سے چند باتیں

مدیر اعلیٰ
محمد ساجد رضا مصباحی

بیادگار: مخدوم العالم قطب بنگال، گنج نبات شیخ عمر علاء الحق پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ

بفیض روحانی: تارک السلطنت سیدنا حضور مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ

بفیض روحانی: مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان

بظل روحانی: خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مفتی عبد الغفور رحمۃ اللہ علیہ

جلد ۵

شمارہ ۱

سہ ماہی

پیغامِ مصطفیٰ

اتر دیناجپور

جولائی تا ستمبر ۲۰۲۶ء

مجلسِ ادارت

مدیر اعلیٰ: محمد ساجد رضا مصباحی

نائب مدیر: غلام محمد ہاشمی مصباحی

معاون مدیر: مولانا محمد سبحان رضا مصباحی

نائب معاون مدیر: محمد عسجد رضا قادری

سرکولیشن مینیجر: مولانا محمد مظفر حسین رضوی

مجلسِ مشاورت

مفتی محمد ذوالفقار علی رشیدی مصباحی

مفتی محمد شعیب عالم قادری نعیمی

مفتی احمد حسین نوری رضوی

مفتی محمد عارف حسین قادری مصباحی

مولانا غلام مختار قادری

مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی

مفتی صابر رضا محب القادری

مفتی محمد صابر عالم مصباحی

مجلسِ مشاورت

مولانا مختار عالم مصباحی

مولانا محمد اشتیاق احمد مصباحی

مولانا مسعود احمد مصباحی

مولانا محمد شکیل انور مصباحی

مولانا محمد عابد حسین مصباحی

مولانا احمد رضا قادری

مولانا محمد شارب ضیاء مصباحی

مولانا بدر الدجیٰ رضوی مصباحی

• قیمت عام شمارہ: ۴۰ • سالانہ ۱۶۰

• رجسٹرڈ ڈاک سے: ۲۵۰

ترسیلِ زر و مراسلت کا پتہ

تنظیمِ عاشقانِ مصطفیٰ اشاہ پور بازار تھانہ گوالپوکھر ضلع اتر دیناجپور بنگال ۷۳۳۲۱۰

or Pay to Mobile Number using PhonePe App

UPI

9674647385

Md Subhan Raza

E-mail:

paighamemustafa2018@gmail.com

Mob.:9473927746- 9734927165-7797820610

ناشر: آئینۂ ہند اکیڈمی اتر دیناج پور، بنگال

بتعاون خصوصی

• حضرت مولانا بہار الدین صاحب چندر گاؤں اتر دیناج پور

• حضرت مولانا مزمل حسین صاحب دکھن صالحان اتر دیناج پور

مشمولات

چرخ صحافت کا نیر تاباں غروب ہو گیا

فخر صحافت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی رحلت مذہبی صحافت کے ایک عہد کا خاتمہ

محمد ساجد رضا مصباحی

غم فرقت

ابھی خانقاہِ صمدیہ پھپھوند شریف کی علمی وروحانی شخصیت مخدومی الکریم حضرت علامہ سید محمد انور میاں چشتی نور اللہ مرقدہ کی رحلت سے پُرنم آنکھوں کے سوتے خشک نہیں ہوئے تھے کہ مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے مورخہ ۱۷/ ذی الحجہ ۱۴۴۷ھ مطابق ۴/ جون ۲۰۲۶ء کو یہ روح فرسا خبر موصول ہوئی کہ ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر اور جامعہ اشرفیہ کے باوقار استاذ فخر صحافت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی بھی شہر خموشاں کے سفر پر روانہ ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾

آپ کی رحلت کی خبر نے دل ودماغ کو بوجھل کر دیا، قلب وروح مضطرب ہوگئی اور ان کی شفقتوں اور عنایتوں کی بے شمار یادیں ذہن کے کینوس پر ابھرنے لگیں، عہد طالب علمی سے اب تک ان کی محبتوں اور نوازشات کا ایک طویل سلسلہ رہا، وہ مجھ جیسے سیکڑوں جواں سال فارغین کے محسن وکرم فرما تھے۔ وہ میرے انتہائی مشفق استاذ و مربّی تھے، یوں تو ان کی درس گاہ سے مجھے صرف ایک کتاب پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، لیکن ان کے مکتبِ صحافت کا ہمیشہ طالب علم رہا، ان کی نگاہِ عنایت نے ہر گام پر شاد کام کیا۔ آج جب ان کی کرم نوازیوں کا سائبان ہمیشہ کے لیے اٹھ چکا ہے تو تسکینِ قلب کے لیے ان کی یادوں کو سمیٹنے بیٹھا ہوں۔

تصور سے کسی کے جگمگاتی ہے سحر میری
کسی کی یاد سے روشن چراغ شام کرتا ہوں

سفر حیات

فخر صحافت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ اتر پردیش کے رام پور سے تعلق رکھتے تھے، ۷/ رجب المرجب ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۰/ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو ولادت ہوئی۔ پرائمری اور ناظرہ کے بعد حفظ قرآن کریم میں مشغول ہوئے اور ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء میں مدرسہ اہل سنت اجمل العلوم، مسجد جہاں خان سنبھل سے حفظ قرآن کریم کی تکمیل کی اور سند ودستار سے نوازے گئے۔ تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے جامعہ فاروقیہ عزیز العلوم بھوج پور مراد آباد، مدرسہ حامدیہ اشرفیہ سراج العلوم کوٹ سنبھل کی درس گاہوں سے اکتساب فیض کیا۔ ۱۹۸۴ء میں برصغیر کی عظیم دینی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا اور پوری محنت وجاں کاہی کے ساتھ درس نظامی کی تکمیل فرمائی، ۱۹۸۹ء میں دستار فضیلت سے نوازے گئے۔ انھوں نے حفظ وقراءت، عالمیت اور فضیلت کے علاوہ اتر پردیش مدرسہ تعلیمی بورڈ لکھنو سے منشی، عالم، فاضل، جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل، گیا کالج گیا انڈر مگدھ یونی ورسٹی سے ایم، اے اُردو کی سند حاصل کی۔

انھوں نے جامعہ اشرفیہ کے تخصص فی الادب العربی کے شعبے میں داخلہ لیا تھا، اسی دوران ۱۹۹۰ء میں آپ جامعہ اشرفیہ کے استاذ مقرر ہوئے، اس عہد میں جامعہ اشرفیہ کی مسند تدریس کے لیے آپ کا انتخاب ایک بڑی حصول یابی تھی، ذمے داران اشرفیہ آپ کی قلمی صلاحیتوں سے

سے بھی واقف تھے، اسی سال آپ کو ماہنامہ اشرفیہ کا مدیر اعلیٰ بھی منتخب کر لیا گیا۔

آپ لکھتے ہیں:

"یہ جولائی ۱۹۹۰ء کی بات ہے، ابھی میری مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں، جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے سند فضیلت حاصل کر چکا تھا اور اسی باغ فردوس کے شعبۂ عربی ادب میں تخصص کر رہا تھا، اسی دوران ہمیں یہ خوش خبری سنائی گئی کہ تمھیں "ماہ نامہ اشرفیہ" کی ادارت عظمیٰ سونپ گئی ہے، یہ سننے کے بعد ہم نے کئی روز تک زمین کی طرف نہیں دیکھا، لیکن جب پہلی بار باضابطہ بساطِ صحافت پر قدم رکھا تو سارا غرور علم ہرن ہو گیا، اور اسی کے ساتھ جہل مرکب کا مفہوم بھی سمجھ میں آ گیا۔" (شہر خموشاں کے چراغ، ص:۲۶)

ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ

"ماہ نامہ اشرفیہ" ۱۹۷۶ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے جاری ہوا، اس کے سب سے پہلے مدیر حضرت مولانا بدر القادری مصباحی رحمۃ اللہ علیہ تھے، دعوت و تبلیغ کے مقصد سے ان کے ہالینڈ تشریف لے جانے کے بعد ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۳ء تک حضرت مولانا سید شمیم گوہر مصباحی مدیر باتدبیر رہے، پھر مبلغ اسلام حضرت علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی دام ظلہ الاقدس نے ادارت کی ذمے داریاں سنبھالیں۔ فخر صحافت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ۱۹۹۰ء میں ماہ نامہاشرفیہ کے مدیر اعلیٰ منتخب ہوئے، اس طرح آپ تقریباً ۳۶؍ سال کی طویل مدت تک ماہ نامہ اشرفیہ کی ادارت عظمیٰ کے مسند جلیل پر جلوہ افروز رہے، مجھے لگتا ہے کہ برصغیر کے جرائد میں آپ سب سے طویل المدت مدیر رہے ہیں۔ آپ کے عہدِ ادارت میں ماہ نامہ اشرفیہ نے عروج و ارتقا کا سفر طے کیا، قارئین کا حلقہ وسیع ہوا، اہل قلم کی ایک فعّال انجمن قائم ہوئی، اور رسالے کے اعتماد و اعتبار میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

کسی بھی جریدے کی کامیابی میں مدیرِ اعلیٰ کی حیثیت ستون خیمہ کی ہوتی ہے۔ وہ رسالے کی فکری سمت، علمی معیار اور ادبی وقار کا امین و پاسبان ہوتا ہے۔ جریدے کے منہج کی تعیین، اس کی علمی پالیسی کی تشکیل، مضامین کے انتخاب اور اہلِ قلم کی رہ نمائی جیسے اہم امور مدیرِ اعلیٰ ہی کی بصیرت اور حسنِ تدبیر کے مرہونِ منت ہوتے ہیں۔ گویا مدیرِ اعلیٰ وہ مرکز و محور ہوتا ہے جس کے گرد پورا ادارتی نظام گردش کرتا ہے اور جس کی فکری رہ نمائی جریدے کی شناخت اور انفرادیت کو مستحکم بناتی ہے۔

ایک کامیاب مدیرِ اعلیٰ نہ صرف علم و ادب کا شناور ہوتا ہے بلکہ زمانے کے فکری تقاضوں اور معاشرتی ضروریات سے بھی پوری طرح آگاہ رہتا ہے۔ وہ جریدے کے صفحات کو محض تحریروں کا مجموعہ نہیں بننے دیتا بلکہ انہیں فکر و دانش، تحقیق و تنقید اور اصلاح و تربیت کا مؤثر ذریعہ بناتا ہے۔ اس کی نگاہ عمیق علمی مواد اور معیاری ادب کی تلاش میں رہتی ہے، جب کہ اس کا قلم اور فکر نئی نسل کی علمی و فکری رہ نمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ اس طرح مدیرِ اعلیٰ در حقیقت ایک معلم، مربی، ناقد اور راہ نما کی مشترکہ حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مدیرِ اعلیٰ کسی جریدے کی روح کی مانند ہوتا ہے۔ اگر اس میں وسعتِ نظر، اعتدالِ فکر، علمی دیانت اور حسنِ ذوق موجود ہو تو جریدہ اہلِ علم کے نزدیک اعتماد و اعتبار کا عنوان بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے کامیاب رسائل و جرائد کے پس منظر میں ہمیں ہمیشہ ایسے مدیرانِ باوقار کی جاں فشانیاں نظر آتی ہیں جنھوں نے اپنی فکری بصیرت، علمی محنت اور بے لوث خدمت کے ذریعے اپنے جریدوں کو دوام، وقار اور مقبولیت عطا کی ہے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی انتہائی کام یاب مدیر تھے، وہ ہمیشہ "ماہ نامہ اشرفیہ" کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے فکر مند اور کوشاں رہا کرتے تھے، ماہ نامہ اشرفیہ الجامعۃ الاشرفیہ کا علمی و فکری ترجمان ہے، انھیں ہر قدم پر اس کا بھی لحاظ رکھنا ہوتا تھا، ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع ہونے والی تحریروں کو اشرفیہ کا موقف سمجھا جاتا ہے، اس لیے مضامین کے انتخاب میں یہ جہت بھی ان کے پیش نظر ہوتی تھی، وہ عام رسائل کی طرح ٹی، آر، پی کے لیے "جلتے موضوعات" سے کھیلنے کے عادی نہیں تھے، ہمیشہ اپنے جذبات قابو میں رکھ کر رسالے کو اعتدال کی راہ میں گام زن رکھتے

تھے۔ ہم نے وہ دور بھی دیکھا ہے، جب دہلی کی سرزمین سے طلوع ہونے والے کئی رسالوں نے اپنی بے باکیوں کی وجہ سے قارئین کا ایک حلقہ بنانے میں کام یابی حاصل کی تھی، طلبۂ مدارس میں ان کی مقبولیت کا گراف کافی اونچا تھا، ایسے میں کچھ احباب ماہ نامہ اشرفیہ پر قدامت پسندی اور مدیر اشرفیہ پر جمود و تعطل کا الزام لگا کر طنز و تنقید کے نشتر چلاتے تھے۔ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی مستقبل شناس اور منجھے ہوئے مدیر تھے، انھیں اپنی منصبی ذمے داریوں اور جامعہ اشرفیہ کے عظمت و وقار کا پورا احساس تھا، وہ ان حالات سے نہ تو متاثر ہوئے اور نہ ہی رسالے کے منہج و معیار کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کیا، انھوں نے مومنانہ بصیرت اور طویل صحافتی تجربات کو بروے کار لاتے ہوئے پورے اعتدال کے ساتھ ماہ نامہ اشرفیہ کا سفر جاری رکھا، کہتے ہیں کہ اعتدال میں دوام ہوتا ہے اور سنجیدہ افکار دیر تک زندہ رہتے ہیں، بحمدہ تعالیٰ ماہ اشرفیہ آج بھی پورے وقار واعتماد کے ساتھ بساط صحافت پر جلوہ فگن ہے، جب کہ اس دوران صحافت کے آسمان پر طلوع ہونے والے کئی جریدے غروب ہو چکے ہیں، اور آندھیوں کے شکل میں نمودار ہونے والے رسالے اپنے انجام تک پہنچ گئے ہیں۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے ماہ نامہ اشرفیہ کو منجمد نہیں رکھا، نہ عصری تقاضوں سے آنکھیں چرائیں، بلکہ وقت اور حالات کے تقاضوں سے آہنگ رکھنے کی بھرپور کوشش فرمائی، حسب ضرورت نئے کالمز کے اضافے بھی کیے، ملک و بیرون ملک کے باکمال اصحاب قلم کو ماہ نامہ کے مستقل کالم نگاروں کی انجمن میں شامل رکھا، نئے اور نوجوان اصحاب قلم کو خاص طور سے طبع آزمائی کا موقع فراہم کیا، اس طرح ان کی قلمی تربیت بھی ہوئی اور ''مستقبل کے اہل فکر و قلم'' کی ایک کھیپ بھی تیار ہوگئی۔ انھوں نے ہر طبقے کے قارئین کے معیار و مزاج کا خیال رکھا، علما، طلبہ اور عام قارئین کے ذوق کی تسکین کے لیے متنوّع مضامین کے گُل بوٹوں سے رسالے کو مزین کیا۔ طلبہ کے لیے مختلف اوقات میں الگ الگ کالم خاص کیے، نئے قلم کاروں کو ''مستقبل کے اہل فکر و قلم'' کا پلیٹ فارم دیا، نواجوان اہل قلم کے لیے ''بزم دانش'' سجائی، اور کرنٹ ایشوز پر عمدہ مضامین لکھوائے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک موقع پر انھوں نے ''تنظیم ابنائے اشرفیہ'' کی آفس میں جامعہ اشرفیہ کے چند باشعور اور تحریر و قلم سے دل چسپی رکھنے والے طلبہ کی میٹنگ رکھی اور ماہ نامے کے نئے کالمز کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا، اس نشست میں ہم چند احباب نے ''بزم دانش'' کے اضافہ اور ''روداد چمن'' کو مستقل کالم کی حیثیت دینے اور ''صدائے بازگشت'' میں روایتی مکتوبات کی بجائے تجزیاتی و تنقیدی مکتوبات کو جگہ دینے کی گزارش کی تھی، جسے انھوں شرف قبولیت سے نوازا، یہ کالمز آج بھی ماہ نامہ اشرفیہ میں اپنی حیثیت کے ساتھ برقرار ہیں۔

کسی بھی جریدے کی ادارت بظاہر ایک باوقار عہدہ ہے، لیکن اس کے پس منظر میں مدیر کے کاندھوں پر کتنی ذمے داریاں ہوتی ہیں وہ کوئی مدیر ہی محسوس کر سکتا ہے، وہ بھی جریدہ ''ماہ نامہ اشرفیہ'' جیسا علمی و فکری اور باوقار ہو تو ذمے داریاں اور بڑھ جاتی ہیں، ماہ نامہ اشرفیہ میں اشاعت کے لیے بے شمار مضامین آتے تھے، لیکن وہ سبھی قابل اشاعت نہیں ہوتے تھے، رسالے کے معیار و مزاج کو باقی رکھتے ہوئے مضامین کا انتخاب ایک مشکل کام ہوتا تھا، وہ رسالے کے شایان شان مضامین کی حصول یابی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے، اصحاب قلم سے رابطے کا کام عام طور نائب مدیر مولانا عبدالصمد مصباحی، مولانا شکیل احمد مصباحی مرحوم اور مولانا طفیل احمد مصباحی اپنے اپنے دور میں کیا کرتے تھے، لیکن اس حوالے سے ان کی رہ نمائی اور تاکید ہمیشہ شامل رہتی، بعض اوقات خود ہی فون کر کے مضامین کا تقاضا کرتے تھے، ادھر کئی سالوں سے تو نیابت کا عہدہ مسلسل خالی رہا، اس پورے دور میں وہ خود ہی اہل قلم سے رابطہ کرتے، مستقل کالمز کے لیے اچھے مضامین کے حصول کی کوشش فرماتے۔ ان کی علالت کے دوران گوناگوں اوصاف و کمالات کے حامل محترم مہتاب پیامی زید فضلہ نے ماہ نامے کی ادارتی ذمے داریاں بحسن و خوبی نبھائیں، رسالے کی تزئین و آرائش کے ساتھ مضامین کی فراہمی کے لیے جد و جہد بھی کرتے رہے، شان دار اداریے لکھے، اور وقت پر رسالہ منظر عام پر لانے میں کام یابی حاصل کی۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کے دور ادارت میں ''ماہ نامہ اشرفیہ'' کے کئی اہم اور معیاری نمبرات، خصوصی شمارے اور خاص

گوشے شائع ہوئے، جس کی فہرست حسب ذیل ہے:

❶- پیغمبر اعظم نمبر (۱۹۹۱ء)❷- انوار حافظ ملت نمبر (۱۹۹۲)❸-صدر الشریعہ نمبر (۱۹۹۵ء)❹- تعلیمی کنونشن نمبر (۱۹۹۶ء) ❺- سلطان الہند خواجہ غریب نواز نمبر (۱۹۹۸ء❻-جشن شارح بخاری نمبر (۲۰۰۰)❼-فقیہ اعظم ہند نمبر (۲۰۰۰ء)❽-فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین امجدی خصوصی گوشہ (۲۰۰۱ء) ❾-سیدین نمبر (۲۰۰۲ء)❿-خصوصی شمارہ حضرت رئیس القلم (۲۰۰۲ء)⓫- مفتی اعظم راجستھان نمبر (۲۰۰۷ء)⓬-انقلاب ۱۸۵۷ء نمبر (۲۰۰۸ء)⓭-گوشۂ امام احمد رضا (۲۰۱۰ء)

وہ کئی سال قبل چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل علامہ فضل حق خیر آبادی نمبر بھی تیار کر چکے تھے، لیکن کسی وجہ سے طباعت کا کام التوا میں پڑا رہا۔ کسی رسالے کا خصوصی نمبر نکالنا نہایت جاں گسل اور دماغ سوزی کا کام ہے، اہل قلم سے موضوع کے مختلف گوشوں پر مضامین لکھوانا، اصحاب قلم کو مواد فراہم کرنا، پھر کتابت، کمپوزنگ اور تصحیح و ترتیب کے مراحل سے گزار کر طباعت کی راہیں ہموار کرنا، بڑے دل گردے کا کام ہوتا ہے، یہ مراحل شوق یوں ہی طے نہیں ہو جاتے، اس کے لیے مہینوں تک دن کا آرام اور راتوں کی نیند قربان کرنی پڑتی ہے، ذہنی وجسمانی توانائیاں صرف کرنی پڑتی ہیں، تب کہیں اس گلستاں میں بہاروں کا موسم آتا ہے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کے عہد ادارت میں مرتب ہونے والے خصوصی نمبرات سرسری نوعیت کے نہیں ہیں بلکہ دستاویزی حیثیت رکھتے ہیں اور علم و فن کا عظیم سرمایہ ہیں، انھوں نے اہل سنت کے اکابرین کی شخصیت اور خدمات پر شائع ہونے والے خصوصی نمبرات میں جس سلیقے سے ان کے نقوش حیات اور علمی آثار کو جمع کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔

کام یاب مصنف

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی بیک وقت کئی میدانوں میں مصروف عمل تھے، وہ جامعہ اشرفیہ میں تدریس اور ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کی ادارت کے ساتھ باضابطہ تصنیف و تالیف کے عمل سے بھی وابستہ تھے، ان کی متعدد تصانیف عوام وخواص میں مقبول ہوئیں، اور ملک بیرون ملک کے مختلف اشاعتی اداروں نے انھیں شائع کیا، ان کی تصنیفی خدمات کی ایک طویل داستان ہے، ان کی تصانیف کے موضوعات میں تنوّع ہے، اسلوب بیان اس قدر شگفتہ اور دل پذیر ہے کہ خشک موضوعات پر بھی ان کا زر نگار قلم موتیاں بکھیرتا ہے، ان کی تصانیف میں علم وادب کی چاشنی بھی ہے اور تحقیق و تدقیق کا عنصر بھی، وہ کہیں ملت اسلامیہ کی بدحالی پر آنسو بہاتے نظر آتے ہیں تو کہیں ملی و جماعتی افتراق و انتشار پر نوحہ کناں ہیں، ان کا قلم کبھی خلیج کے بحران کا حل ڈھونڈتا ہے تو کہیں برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب کی تلاش میں سرگرداں نظر آتا ہے، وہ کبھی اپنے قارئین کو عشق رضا کی سرفرازیوں سے آشنا کرنے کے لیے بے چین نظر آتے ہیں تو کہیں مسلک اعلیٰ حضرت کی تفہیم میں مشغول دِکھتے ہیں۔ وہ کبھی باطل فرقوں کی سرکوبی کے لیے شمشیر برّاں اور برق خاطف بن جاتے ہیں اور ان کا قلم دشمنان رسول پر کاری ضرب لگاتا نظر آتا ہے، وہ کبھی عشق رسول ﷺ میں سرشار ہو کر سیرت نبوی کا پیغام سناتے ہیں تو کہیں تصوف و روحانیت کے گل بوٹے کھلاتے ہیں، وہ کبھی جامعہ اشرفیہ کی ترجمانی اور اس کی سفارت کا فریضہ انجام دیتے ہیں تو کبھی حافظ ملت کے علمی و فکری آثار کے تحفظ کے لیے مضطرب ہوتے ہیں، وہ اپنے اسلاف کے نقوش قدم کے تحفظ کے لیے قرطاس و قلم کا سہارا لیتے ہیں تو کبھی یاد رفتگاں کو سمیٹنے کے لیے شہر خموشاں میں چراغ روشن کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی تصانیف کا تعارف و تجزیہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر دل کھول کر لکھنے کو جی چاہتا ہے، لیکن یہاں طوالت کا خوف دامن گیر ہے۔ سر دست قارئین کی خدمت میں ان کی فہرست پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

(۱)- خلیج کا بحران۔ (۲) -عشق رضا کی سرفرازیاں (۳)- پیام سیرت۔ (۴)-اسلام اور ہندوستانی مذاہب میں تصور روحانیت۔ (۵)- برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب۔(۶)-جہان رئیس القلم۔ (۷)- مدارس اسلامیہ تاریخ و حقائق کے اجالے میں۔ (۸)- الجامعۃ

الاشرفیہ ایک مختصر تعارف۔(۹)-امام احمد رضا اور مسلک جمہور۔(۱۰)-کیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے؟۔(۱۱)-دو عظیم شخصیتیں۔(۱۲)-آفتاب قدس نکلا نور برساتا ہوا۔(۱۳)-حافظ ملت اور جمشید پور۔(۱۴)-شہر خموشاں کے چراغ۔(۱۵)-موسم بہاراں (۱۶)-فتاویٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور جلد اول(ترتیب و تحقیق)

نسل نو کے محسن و مربی

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کی حیات کا ایک خاص پہلو یہ تھا کہ وہ انتہائی کشادہ قلب، صاف دل، مخلص، مہربان اور محبت فرمانے والے استاذ تھے، وہ یوں تو سبھی کے لیے حسن اخلاق کے پیکر تھے، لیکن طلبۂ مدارس کے ساتھ ان کا برتاؤ بڑا کریمانہ تھا، سچ یہ ہے کہ وہ طلبۂ مدارس اور نوجوان علما کے بے لوث محسن و مربی تھے، جامعہ اشرفیہ میں تعلیم حاصل کرنے والے کتنے طلبہ آپ کی حوصلہ افزائیوں کے سبب باضابطہ قلم کار بن گئے، طلبہ ٹوٹے پھوٹے چند جملے جوڑ کر ان کی خدمت میں پیش کرتے، آپ نہ صرف یہ کہ ان کی اصلاح فرما کر ماہ نامہ اشرفیہ کے قیمتی صفحات میں جگہ عنایت فرماتے بلکہ حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرما کر ان کے اندر جوش و جذبہ پیدا کر دیتے، اس میدان میں قدم رکھنے والے نوآموز طلبہ ماہ نامہ اشرفیہ کے صفحات میں اپنی تحریر دیکھ کر پھولے نہیں سماتے اور پھر مشق قلم کا سلسلہ شروع ہو جاتا، ان کا یہ رویہ کسی خاص طالب علم کے ساتھ نہیں تھا، بلکہ جو بھی جذبۂ خالص کے ساتھ ان سے وابستہ ہو جاتا انھیں وہ تحریر و قلم کا شناور بنا دیتے۔ میں ایسے درجنوں نوجوان علما کو جانتا ہوں جن کے قلمی سفر میں مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کی رہ نمائیاں اور ان کی توجہ و التفات کا خاص دخل ہے، وہ مردم شناس بھی تھے، نوجوان علما کی علمی، فکری اور قلمی صلاحیتوں کو بہت جلد محسوس کر لیتے تھے، یوں تو وہ جامعہ اشرفیہ کے استاذ تھے، لیکن تحریر و قلم کے حوالے سے ان سے فیض پانے والے ملک و بیرون ملک کے گوشے گوشے میں ہیں، فکر و قلم سے تعلق رکھنے والے ایسے بے شمار نوجوان علما ہیں جنھیں آپ خود فون کر کے تحریر و قلم کی دنیا آباد رکھنے اور کچھ کر گزرنے کی ترغیب دیتے۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ہر دور میں اصحاب فکر و قلم پیدا ہوتے رہے ہیں اور یہاں کے فارغین نے ہر زمانے میں اپنے علم و قلم کا لوہا منوایا ہے، لیکن اکیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ یہاں تحریر و قلم کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے، جامعہ اشرفیہ کے اس دور کو اگر ہم "انقلابی دور" کہیں تو شاید غلط نہ ہوگا، اس زمانے میں یہاں تربیت لوح و قلم کا جو شور پیدا ہوا، شاید اس کی مثال ماضی میں کہیں نہ ملے، طلبۂ اشرفیہ کے اندر جو جوش و خروش اور مسابقاتی جذبہ جو اس دور میں دیکھا گیا وہ حیرت انگیز تھا، اس انقلاب کے بطن سے وجود میں آنے والے اصحاب فکر و قلم کی ایک لمبی فہرست ہے جو صحافت کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس انقلاب کے پس منظر جامعہ اشرفیہ کے تمام اساتذہ کی کاوشیں اور ان کی مخلصانہ کوششوں کا بڑا دخل ہے، جامعہ اشرفیہ کے صدر المدرسین خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی اور المجمع الاسلامی مبارک پور کے رکن حضرت علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی دام ظلہ العالی کی تحریک و تشویق کا بھی اس میں اہم کردار ہے۔ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے فکر و قلم کی اس انقلابی تحریک کو جلا بخشنے کا کام کیا، انھوں نے طلبہ کی ذہن سازی کی، ان کی ادبی انجمنوں کی سرپرستی فرمائی اور لکھنے والوں کو ماہ نامہ اشرفیہ میں جگہ دے کر ان کے حوصلوں کو مہمیز کرنے کا گراں قدر فریضہ انجام دیا جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔

ذرّہ نوازیاں

استاذی الکریم حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی مجھ فقیر پر بے پناہ مہربان تھے، مہربانیوں کا یہ سلسلہ عہد طالب علمی سے شروع ہوا اور اب تک جاری رہا، جسم و روح کا رشتہ ٹوٹنے کے بعد اگرچہ ان کی ظاہری شفقتوں سے محرومی ہو گئی ہے؛ لیکن مجھے یقین ہے کہ ان کی دعائیں اور ان کا روحانی فیضان ہمیشہ مجھ پر سایہ فگن رہیں گے۔

جامعہ اشرفیہ میں عہد طالب علمی میں استاذی الکریم خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم القدسیہ اور مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی مصباحی دام فضلہ رکن المجمع الاسلامی کی خصوصی توجہات اور عنایات سے قلم پکڑنے کا کچھ سلیقہ آیا تو ”ماہ نامہ اشرفیہ“ سے خصوصی تعلق قائم ہو گیا، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی شفقت و عنایت اور ان کی خرد نوازی نے ان کا گرویدہ بنا دیا، ماہ نامہ اشرفیہ کے دفتر میں آمد و رفت بھی بڑھ گئی، انھوں نے اپنے کرم خاص سے میری چند ٹوٹی پھوٹی تحریروں کو ماہ نامہ اشرفیہ کے صفحات میں جگہ دے کر میرے حوصلوں کو مہمیز کیا، اور مجھے بھی بزم اشرفیہ کے خادموں میں شامل کر لیا، طالب علمی کے زمانے میں یہ بڑی حصول یابی اور میرے لیے بڑے اعزاز و افتخار کی بات تھی، وہ فرماتے تھے کہ ہر شمارے کے لیے کچھ لکھا کرو، وقت نہ ملے تو مکتوبات کے کالم میں گزشتہ شمارے کے مضامین کا تجزیہ و تبصرہ ہی تحریر کر دیا کرو، کچھ دنوں کی مشق و ممارست کے بعد وہ مستقل مضامین کے لیے عنوانات دینے لگے، تبصرے کے لیے کتابیں عنایت فرمانے لگے اور میں اسے اپنی سعادت مندی سمجھ کر ان کے حکم کی تعمیل کی کوشش کرتا، اس طرح عہد طالب علمی ہی میں ان کی نگاہِ عنایت سے متعدّد مضامین ماہ نامہ اشرفیہ کی زینت بنے۔ تحریری تربیت کا یہ سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ ۲۰۰۸ء کے اواخر میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے شعبہ تخصص فی الفقہ سے فراغت حاصل کر کے تدریس کے لیے جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف چلا گیا۔ ایک فکر دامن گیر تھی کہ کہیں تحریر و قلم سے وابستگی کمزور نہ ہو جائے، اور مشق قلم کا سلسلہ ماند نہ پڑ جائے، لیکن ان کی نگاہِ عنایت کے طفیل میرے خدشات غلط ثابت ہوئے، بعد مکانی نے ان کی شفقتوں کو بالکل متاثر نہیں کیا، وہ مجھے مسلسل لکھنے کی تاکید فرماتے رہے، اور ماہ نامہ اشرفیہ کے صفحات میں میری تحریروں کو جگہ دیتے رہے۔

”بزم دانش“ اور کچھ دوسرے مستقل کالمز کے لیے انھیں منتخب موضوعات پر معیاری مضامین کی جستجو رہتی، اکثر وہ مجھے فون کر کے عنوان دیتے اور فرماتے کہ دو چار دن میں مضمون بھیج دو، رسالہ تیار ہے اور میں ان کے حکم کی بجا آوری کے لیے کسی نہ کسی طرح مضمون تیار کر دیتا۔ کبھی کبھی ان کے حکم پر مولانا شکیل احمد مصباحی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا طفیل احمد مصباحی زید شرفہ بھی مضامین کے لیے فون کرتے۔ ان کی عنایتوں کا سلسلہ جاری رہا اور میرا مشق قلم بھی ہوتا رہا۔

۲۰۱۴ء میں مجھے اپنے بکھرے مضامین کو جمع کر کے کتابی شکل میں شائع کرنے کا خیال آیا اور تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل مضامین کا مجموعہ تیار ہو گیا، میں نے اس کی اطلاع آپ کو دی تو آپ نے بے پناہ مسرت کا اظہار فرمایا، انہی دنوں کرنیل گنج گونڈہ کے مدرسہ یتیم خانہ صفویہ میں سالانہ جلسہ اور سیمینار کا پروگرام تھا، جس میں حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی (علیہ الرحمہ) کے ساتھ یہ خادم بھی مدعو تھا، سوچا موقع اچھا ہے، اسی موقع پر مقالات کی کاپی حضرت کو دکھا کر دعائیہ کلمات کے لیے گزارش کر دوں گا، سیمینار سے فراغت کے بعد میں نے انھیں پرنٹ پیش کیا اور بتایا کہ ضخامت زیادہ ہونے کی وجہ سے کچھ مضامین و مقالات کو میں نے اس میں شامل نہیں کیا ہے، فرمانے لگے ضخامت بڑھ جائے تو کیا حرج ہے، میں عرض کیا حضور! طباعت کے اخراجات بڑھ جائیں گے، فرمایا، اللہ تعالیٰ انتظام فرمانے والا ہے، آپ ان مضامین کو بھی شامل کر لیں، ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے باقی ماندہ مضامین کو بھی شامل اشاعت کر لیا۔ انھوں نے اس کتاب کے لیے جو کلمات تحسین عطا فرمائے وہ ان کی ذرّہ نوازی کی اعلیٰ مثال ہے:

> ”خوب اور بہت خوب ہے یہ قلمی رشحات کا مرقع جمیل، آپ نے رنگ ہزاروں خوشبو ایک کا محاورہ سنا ہو گا، اگر عہد حاضر میں اس کا پیکر جمیل دیکھنا ہو تو ”قلمی رشحات“ پر نظر ڈالیے، علم و فن، فقہ و بصیرت، تاریخ و سیاست اور نقد و نظر جیسے اوصاف کی جامع ہے، اس کی خوبیاں آنکھوں کو خیرہ کرتی ہیں، اور جیسے جیسے آپ پڑھتے ہوئے آگے بڑھیں گے، دل و دماغ معطر ہوتے چلے جائیں گے، یہ گراں قدر مضامین مصنف کے وسیع مطالعے کے غماز ہیں، کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے، اسلامیات، تحقیقات، نظریات، شخصیات، سیاسیات اور نقد و نظر۔

اس عظیم علمی وفکری کتاب کے قلم کار ہر دل عزیز مفتی حضرت مولانا ساجد رضا مصباحی ہیں جو اپنے معاصرین میں اپنے علم وفن اور اپنے اخلاق وکرادر میں بھی بہت بلند ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۹۸۴ء میں ہوئی، خاک ہند کی شہرۂ آفاق درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ۲۰۰۶ء میں سند فضیلت حاصل کی، اور ۲۰۰۸ء میں تخصص فی الفقہ کا نصاب مکمل کیا، آپ درسیات اور فتویٰ نویسی میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، تدبر وبصیرت، تحقیق وصحافت میں بھی گہری نظر رکھتے ہیں، وہ بعض اوقات باتوں باتوں میں بڑی اہم باتیں کہہ جاتے ہیں، پیش نظر کتاب کے اکثر مضامین ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور میں شایع ہو چکے ہیں اور ان دنوں بھی پابندی سے لکھتے ہیں، مجموعہ مضامین چند یہ ہیں، تفسیر طیبات بینات: ایک تحقیقی مطالعہ ۔ التصوف بین الافراط والتفریط۔ الغزالی بین مادحیہ وناقدیہ۔ گلوبلائزیشن: تعارف، اہداف، اثرات۔ انقلاب ۱۸۵۷ء میں فارسی اخبارات کا کردار۔ کیا اتحاد اہل سنت ضروری ہے؟۔ علامہ سعد الدین تفتازانی۔ شارح سلم ملا محمد فرنگی محلی۔ علامہ فضل حق خیر آبادی۔ حضور حافظ بخاری، حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی۔ حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی۔ اور حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی وغیرہ۔

فراغت کے بعد سے آج تک معروف خانقاہ صمدیہ کے جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف میں اعلیٰ استاذ ہیں، خانقاہ اور جامعہ کے ذمے داران کے درمیان ہر دل عزیز ہیں، دعا ہے خدائے قدیر اپنے پیارے حبیب ﷺ کے طفیل کتاب، مصنف اور ناشر کو عرشی عظمتیں اور سمندری وسعتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

۵ر جمادی الآخرہ ۱۴۳۵ھ	مبارک حسین مصباحی
۶ر اپریل ۲۰۱۴ء، یک شنبہ	اڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور

۲۰۱۵ء میں میری ایک کتاب ”عہد نبوی میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ“ منظر عام پر آئی، میری گزارش پر آپ نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں تحریر فرمائے:

”محب مکرم حضرت مولانا مفتی محمد ساجد رضا مصباحی علوم وفنون سے آراستہ اور فقہی بصیرت کے حامل ہیں، عصر حاضر پر گہری نگاہ رکھنے والے فرد فرید ہیں، فکر وقلم کا جادو ہر زمانے میں چلتا رہا ہے، مگر عہد جدید میں اس کی جامعیت اور ہمہ گیری میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے، ماشاء اللہ ہمارے مولانا لکھتے ہیں اور بھرپور لکھتے ہیں۔ آپ کے افکار میں حیرت انگیز تنوّع ہے۔ اس وقت ہماری آنکھوں کے سامنے آپ کی جدید کتاب ” عہد نبوی میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ“ ہے۔ اس موضوع پر اب تک بہت کچھ لکھا گیا ہے، مگر حضرت مصنف نے اس کے قدیم ماٰخذ کو سامنے رکھا ہے اور عہد حاضر کے بدلتے حالات پر بھی تیز نگاہ رکھی ہے، اس قدیم وجدید کی آمیزش سے یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک اہم ماخذ بن گئی ہے۔

مصنف کتاب نے اپنے وسیع ذہن اور گہرے مطالعے سے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام مکمل طور پر امن وسلامتی کا مذہب ہے، اسلام میں جو جنگیں ہوئی ہیں وہ عمل کے طور پر نہیں بلکہ ردِّ عمل کے طور پر ہے۔ برسوں سے جو یہ کہا جارہا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے یہ الزم، محض الزام ہے، اس کا سچائی سے کوئی تعلق نہیں، آپ نے اسلام کے دین انسانیت ہونے کے تعلق سے بڑی فکر انگیز اور معرکہ آرا بحثیں کی ہیں، اور ناقابل شکست دلائل وشواہد سے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلامی جنگوں میں عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کے قتل کی سخت ممانعت ہے۔ اسلامی جنگوں کا مقصد نہ دولت جمع کرنا ہے اور نہ عام لوگوں میں دہشت گردی پھیلانا بلکہ اسلامی جنگوں کا نشانہ دہشت گردی کا خاتمہ ہے۔ اسلامی

جنگوں میں عدل وانصاف اور انسانیت کا احترام بھی ہے۔

عہد حاضر میں اس کتاب کو بے پناہ مقبولیت ملے گی، ضرورت ہے کہ اس کتاب کا ہندی اور انگریزی وغیرہ میں ترجمہ کر دیا جائے تو مصنف کی محنت بڑی حد تک اپنے مقصد میں کام یاب ہو جائے گی۔ آپ کی تحریروں میں وقار اور سنجیدگی ملتی ہے اور ہر دعوے پر دلائل ملتے ہیں، اسلوب نگارش سلیس، واضح اور بہت سلجھا ہوا ہے۔ آپ کی تحریروں پر اعتماد کیا جاتا ہے، اس کم عمری میں آپ پر یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

مولا تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل دیگر تحریروں کی طرح اس کتاب کو بھی شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے آمین۔

۲۶ر ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ — مبارک حسین مصباحی

۱۶ر فروری ۲۰۱۵ء، دوشنبہ — چیف ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور

یہ ان کی کرم نوازی تھی کہ وہ مجھ جیسے ناکارہ سے محبت فرماتے تھے اور اعتماد کیا کرتے تھے۔ انھوں نے مجھے اور میرے ہم سبق دوست مولانا مفتی قطب الدین رضا مصباحی کو حکم دیا تھا کہ ماہ نامہ اشرفیہ کا اشاریہ تیار کریں، غالباً یہ ۲۰۰۷ء کی بات ہے، جب ہم لوگ تخصص فی الفقہ کے سال اول میں تھے، ان کے حکم کے مطابق انہی کی رہ نمائی میں ہم لوگوں نے اشاریہ سازی کا کام شروع کیا، ایک ایک جلد کا اشاریہ تیار کر کے ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور وہ اسے " آئینہ در آئینہ " کے عنوان سے ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع فرماتے، یہ سلسلہ کئی سالوں تک جاری رہا، ۱۹۷۶ء سے ۱۹۹۸ء تک کا اشاریہ ماہ نامہ اشرفیہ کے شماروں میں شائع ہو چکا تھا، جب کہ ہم دونوں نے مل کر ۲۰۰۴ء تک کا اشاریہ تیار کر لیا تھا۔ ایک موقع پر حضرت نے فرمایا کہ اب ماہ نامے میں اشاریہ کی اشاعت کا سلسلہ بند کر کے ایک ساتھ کتابی شکل میں پورا اشاریہ شائع کر دیا جائے گا۔ اشاریہ کی اشاعت کا سلسلہ موقوف ہوا تو یہ کام بھی التوا میں پڑ گیا۔ وہ بار بار فون پر اور ملاقات کے وقت اس کام کی تکمیل کا تقاضا فرماتے رہے ، لیکن ہجوم کار اور منصبی ذمے داریوں کے سبب ان کی حیات میں یہ کام مکمل نہیں ہو سکا، انھوں نے مولانا قطب الدین رضا مصباحی کو بھی کئی بار اس کام کے لیے فون کیا تھا۔

ان کا منصوبہ تھا کہ "مستقبل کے اہل فکر وقلم " اور " بزم دانش " کے کالم میں شائع ہونے والی فکر انگیز تحریروں کو " درخشاں مستقبل کی تلاش " کے نام سے کتابی شکل میں جمع کر کے شائع کیا جائے، اس کام کے لیے بھی انھوں نے مجھ فقیر کو بار بار تاکید کی تھی، انھوں نے کئی بار فرمایا کہ کسی تعطیل کے موقع پر مبارک پور آئیے، دو چار دن قیام کیجیے تو میں سارا مواد فراہم کر دیتا ہوں، لیکن میری کوتاہی کی وجہ سے یہ کام بھی ان کی حیات میں نہیں ہو سکا۔

اگر کچھ دنوں تک میں ان کو فون نہیں کر پاتا تو خود فون لگا کر پوچھتے کہ کس حال میں ہیں، کیا مصروفیت چل رہی ہے، کون سا تحریری کام ہو رہا ہے، میں کاموں کی تفصیل بتاتا تو خوش ہوتے اور فرماتے کہ " کام کرتے رہیے "کبھی لکھنے کا سلسلہ موقوف ہوتا تو فون کر کے فرماتے "آج کل آپ کی کوئی تحریر نہیں آ رہی ہے، کیا وجہ ہے ؟" میں اپنی گوناگوں مصروفیات کا ذکر کرتا تو اپنے مخصوص لہجے میں فرماتے " ارے! جتنے عظیم کام ہیں سب مصروف ترین لوگوں نے ہی کیا ہے۔ کام کرنے والوں کے لیے مصروفیت رکاوٹ نہیں بنتی۔" ان کا یہ جملہ میرے اندر ایک نئی توانائی پیدا کر دیتا تھا۔

۲۰۲۱ء میں امام احمد رضا نیشنل سیمینار اتر دیناج پور کے مقالات کا مجموعہ **"عرفان امام احمد رضا"** چھپ کر آئی تو میں نے ان کی خدمت میں تبصرہ کے لیے پیش کیا، اگلے شمارے میں انھوں نے زبردست فاضلانہ اور تفصیلی تبصرہ شائع تحریر فرما کر ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع فرمایا، اس تبصرے کے سطر سطر سے ان کی دیدہ وری، صحافیانہ صلاحیت اور خرد نوازی جھلکتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

" انتہائی مسرت وشادمانی کی بات ہے کہ اب خاک ہند کے مختلف صوبوں میں علمائے اہل سنت قرطاس وقلم کے

حوالے سے بھی بیدار ہو چکے ہیں، خاص طور سے نوجوانوں میں قلمی وفکری امنگ وترنگ اطمینان بخش نظر آتی ہے، ان میں احوال عصر کے تقاضے سمجھنے کی صلاحیت ہے اور نت نئے موضوعات پر لکھنے لکھانے اور مختلف راہیں نکالنے کی تگ ودو بھی مسلسل جاری ہے۔

اس وقت ہماری میز پر ہے ”عرفان امام احمد رضا“ ۶۶۸/ صفحات پر مشتمل ہے، یہ ضخیم دیدہ زیب اور مجلد دستاویز ہے۔ ترتیب وتدوین کے گراں قدر فرائض انجام دیے ہیں محب گرامی وقار، معروف قلم کار حضرت مولانا مفتی محمد ساجد رضا مصباحی دام ظلہ العالی اور پیکر اخلاص حضرت مولانا محمد عارف حسین مصباحی زید مجدہٗ نے۔

علم اور اخلاص کے پیکر قابل صد تکریم حضرت مولانا مفتی محمد ساجد رضا مصباحی دام ظلہ العالی، آپ عالی دماغ رکھتے ہیں، کام یاب استاد اور مستند فتویٰ نویس ہیں، صحافت میں بھی ممتاز مقام رکھتے ہیں، معاملہ فہم، نیک سیرت ہیں، آپ کی متعدّد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، آپ کی تحریروں میں ادیبانہ رنگ رہتا ہے، فقہی بصیرت کے حامل ہیں اس لیے شریعت کی پاس داری بھی خوب رہتی ہے۔ (ماہ نامہ اشرفیہ، اکتوبر ۲۰۲۲ء)

تخصص فی الفقہ کے آخری سال (۲۰۰۸ء میں) ان کی مقبول ترین کتاب ”شہر خموشاں کے چراغ“ ترتیب وتدوین کے مراحل سے گزر رہی تھی، وہ کمپوز شدہ مضامین ہمیں پروف پڑھنے کے لیے عنایت فرماتے اور ہم لوگ تصحیح شدہ مضامین ان کی خدمت میں پیش کرتے۔ اگلے سال ۲۰۰۹ء کے عرس حافظ ملت کے موقع پر یہ کتاب چھپ کر آئی تو انھوں نے از راہ کرم ایک عدد مجھے بھی عنایت فرمایا، دیکھا کہ حضرت نے مسودہ خوانوں میں اس فقیر کا نام بھی شامل فرمایا ہے:

” بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں مولانا ساجد رضا مصباحی، مولانا قطب الدین رضا مصباحی ۔۔۔۔ شکریہ نہ ادا کروں جنھوں نے بڑی محنت سے پروف پڑھے۔“ (شہر خموشاں کے چراغ، ص:۳۰)

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی دام ظلہ العالی کی یہ گراں قدر تالیف چھپ کر منظر عام پر آئی تو علمی حلقوں نے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور مقبول عام وخاص ہوئی۔ ان دنوں مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی نے اس تازہ ترین کتاب پر تبصرہ لکھا جو ماہ نامہ جام نور کے کسی شمارے میں شائع ہوا، موصوف نہ جانے کس نشے میں تھے، انھوں نے کتاب کا تعارف کراتے ہوئے نہ جانے کن مقاصد کے پیش نظر کئی ایسے شوشے چھوڑ دیے جن سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا تھا۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے مجھے وہ تبصرہ بھیجا، تبصرہ پڑھنے کے بعد مجھے بھی مولانا کی بے راہ روی، منفی ذہنیت اور ان کے بے بنیاد موشگافیوں پر سخت غصہ آیا، ”شہر خموشاں کے چراغ“ کی ترتیب کے سارے مراحل میرے پیش نظر تھے، میں نے اس کتاب پر ایک تبصرہ لکھا، جس میں کتاب کی واقعی حیثیت، اس کے مشمولات کی اہمیت اور ترتیب کی خصوصیات کو اجاگر کیا نیز مولانا کے ذریعہ کیے گئے منفی اور بے بنیاد باتوں اور باطل خیالات کا حقائق کی روشنی میں رد کیا۔ حضرت نے اس تبصرے کو ماہ نامہ اشرفیہ ۲۰۰۹ء میں شائع فرمایا۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کے ساتھ متعدّد اسفار میں ساتھ رہا اور سیمیناروں میں شرکت کا موقع ملا، وہ ہمیشہ اپنی محبتیں نچھاور فرماتے تھے، میں شاگرد ہونے کے ناطے ہمیشہ ادب واحترام سے پیش آتا، کبھی حد ادب پار نہیں کرتا، لیکن وہ کبھی شاگردوں جیسا برتاؤ نہیں کرتے، ہمیشہ اپنے پاس بٹھاتے، اپنے ساتھ کھلاتے اور اپنے پاس رکھتے، ان کی یادوں کے نقوش ہمارے ذہن ودماغ میں ہمیشہ زندہ وتابندہ رہیں گے، ان کے علمی وقلمی کارنامے انھیں حیات جاودانی عطا کرتے رہیں گے۔

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقش پا چراغ
وہ جدھر سے بھی گزرے روشنی ہوتی گئی

چند عبرتیں اور نصیحتیں: قرآن کی روشنی میں

مولانا محمد شارب ضیا رضوی مصباحی

قرآن حکیم اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ازلی ہے، اس کی ہمہ گیریت اور جامعیت کی کوئی نظیر نہیں، اس میں ہر کہ ومہ، خشک وتر کا واضح اور شافی بیان موجود ہے گو کہ ان پنہاں آب دار گوہروں تک ہماری رسائی نہیں مگر حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف میں سب ماہ نیم سے کہیں زیادہ روشن ہیں جیساکہ مجدد اعظم امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ نے رسالہ "میمونہ انباء الحی ان کلامہ المصون تبیانا لکل شئی" میں اس بحث کو دلائل وشواہد کی روشنی میں عرش تحقیق تک پہنچا دیا ہے۔ قرآن حکیم جس طرح اصول وقوانین اوراحکام ومسائل کی کتاب ہے اسی طرح اس میں متلاشیان حق کے لیے کثیر پند ونصائح ہیں، گزشتہ قوموں، ان کے عذاب وغیرہ کا تذکرہ کرکے لوگوں کو عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم پند ونصائح اور عبرت پر مشتمل چند آیتوں کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

قرآن حکیم میں ہے:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍۙ۝۱۰

ترجمہ: اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بڑا قسمیں کھانے والا ذلیل۔ (القلم/۱۰)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار ومشرکین کی بات ماننے سے منع فرمایا، اب یہاں کفر کے علاوہ مزید عیوب بیان کرکے دوبارہ منع کیا جارہا ہے کہ جس کافر میں یہ عیب ہوں اس کی بات بطورِ خاص نہ مانی جائے۔ اس آیت میں جس عیب کا تذکرہ ہے وہ "حَلَّافٍ" ہے۔ حلّاف اسے کہتے ہیں جو حق اور باطل دونوں طرح کے معاملات میں بہت زیادہ قسمیں کھاتا ہو۔ جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت سے لے کر آیت نمبر ۱۶ر تک جو مذموم اوصاف بیان کیے گئے، یہ ولید بن مغیرہ کے ہیں، جب کہ بعض مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ اوصاف اسود بن عبد یغوث، یا اخنس بن شریق، یا ابو جہل بن ہشام کے ہیں۔ (صاوی، القلم، تحت الآیۃ: ۱۰، ۶/۲۲۱۲-۲۲۱۳)۔

اس آیت سے ان مسلمانوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہیے جو بات بات پر قسمیں کھاتے ہیں، بسا اوقات جھوٹے ہونے کے باوجود کثرت کے ساتھ کبھی اللہ کی، کبھی قرآن کی قسمیں اٹھاتے ہیں۔ ایسا شخص عیب دار ہوجاتا ہے، معاشرے میں وہ غیر معتبر مانا جاتا ہے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَۙ۝۴۲ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌؕ وَ قَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ۝۴۳

ترجمہ: جس دن ایک ساق کھولی جائے گی اور سجدہ کو بلائے جائیں گے تو نہ کرسکیں گے۔ نیچی نگاہیں کیے ہوئے ان پر خواری چڑھ رہی ہوگی اور بے شک دنیا میں سجدہ کے لیے بلائے جاتے تھے جب تندرست تھے۔ (القلم/۴۲)

اس آیت اور اس کے بعد والی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن کفار ومنافقین کو ان کے ایمان کے امتحان اور دنیا میں سجدہ ریز نہ ہونے پر زجر کے طور پر سجدے کی طرف بلایا جائے گا تو وہ سجدہ نہ کرسکیں گے اس لیے کہ ان کی پشتیں انبے کے تختے کی طرح سخت ہوجائیں گی، ان کے چہرے سیاہ ہوجائیں گے اور ان پر ذلت چڑھ رہی ہوگی۔

اس آیت میں بیان کردہ وعید گو کہ کفار ومنافقین کے لیے ہے مگر یہ تازیانہ عبرت ونصیحت ہے ان مسلمانوں کے لیے جو نماز میں سستی کرتے ہیں، اور شرعی عذر نہ ہونے کے باوجود بعض اوقات نماز قضا کردیتے ہیں یا سرے سے نماز پڑھتے ہی نہیں ہیں۔

قرآن حکیم میں ہے:

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ۬ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾

ترجمہ: اپنی کیسی خطاؤں پر ڈبوئے گئے پھر آگ میں داخل کیے گئے تو انہوں نے اللہ کے مقابل اپنا کوئی مددگار نہ پایا۔ (سورۂ نوح ،آیت:۲۵)

تفسیر جلالین میں ہے کہ حضرت نوح عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کا کلام ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی قوم کا حال بیان کیا ہے کہ وہ لوگ اپنی خطاؤں کی وجہ سے طوفان میں ڈبو دیے گئے، پھر غرق ہونے کے بعد آگ میں داخل کیے گئے تو وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پائے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکتے۔ (جلالین، نوح، تحت الآیۃ:۲۵، ص۴۷۵)

اس آیت میں نیکیوں سے دور اور گناہوں میں مصروف و مشغول رہنے والے مسلمانوں کے لیے بھی بڑی نصیحت اور عبرت ہے کیوں کہ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت نوح عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کی قوم پر طوفان کا عذاب آنے کی وجہ ان کے گناہ تھے، اس لیے گناہ کے کاموں میں مصروف رہنے والوں کو ڈر جانا چاہیے کہ کہیں گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی بھی دنیا میں ہی گرفت نہ فرما لے، پھر انہیں قبر و آخرت کے عذاب میں مبتلا کر دے۔

قرآن حکیم میں ہے:

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: بے شک تیرے رب کی گرفت بہت سخت ہے۔ (سورۂ بروج، آیت:۱۲)

تفسیر روح البیان میں ہے کہ اس آیت کا تعلق ظالموں سے ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جب ظالموں کو اپنے عذاب میں پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ بہت سخت ہوتی ہے گو کہ یہ پکڑ کچھ عرصہ ظالموں کو مہلت دینے کے بعد ہو کیوں کہ انہیں مہلت دینا عاجز ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ حکمت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (روح البیان، البروج، تحت الآیۃ: ۱۲، ۱۰/۳۹۱-۳۹۲)۔

اس آیت میں ان لوگوں کے لیے بڑی نصیحت و عبرت ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور گرفت میں تاخیر کی وجہ سے مزید شریر ہو جاتے ہیں۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ کسی حکمت کے پیش نظر مہلت دیتا ہے لیکن جب وہ گرفت کرتا ہے تو اس کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔ اور یہ گرفت دنیا میں بھی ہو سکتی ہے اور آخرت میں بھی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، خدا کی قسم! جو مومن دوسرے مومن پر ظلم کرے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس ظالم سے انتقام لے گا۔ (کنز العمال، کتاب الاخلاق، قسم الاقوال، الباب الثانی فی الاخلاق و الافعال المذمومۃ، الفصل الثانی، ۲/۲۰۲، حدیث: ۷۶۲۱)

قرآن حکیم میں ہے:

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: بولے بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا۔ (سورۂ شعراء، آیت:۷۴)

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کی پیش کردہ دلیل کا کوئی جواب نمرود اور اس کے ماننے والوں سے نہ بن پڑا تو کہنے لگے: ”بت اگرچہ نہ کسی کی بات سنتے ہیں، نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی کسی سے کوئی نقصان دور کر سکتے ہیں لیکن بتوں کی عبادت کرنے میں ہم نے اپنے باپ دادا کی پیروی کی ہے کیوں کہ ہم نے انہیں ایسا ہی کرتے پایا ہے اس لیے ہم آپ کے کہنے پر اپنے آباؤ اجداد کے طریقے کو نہیں چھوڑ سکتے۔ (تفسیر خازن، الشعراء، تحت الآیۃ: ۷۴، ۳/۳۸۹۔)

اس آیت کی روشنی میں ان لوگوں کو بھی غور کرنا چاہئے جو غمی خوشی کے موقع پر شریعت طاہرہ سے متصادم رسمیں بجالاتے ہیں اور منع کرنے پر یہ کہتے ہیں کہ ہمارے آباواجداد میں یہ رسمیں برابر چلی آئی ہیں اس لیے ہمیں بھی ان سے وابستہ رہنا ہے۔ مذکوہ آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح خلاف شرع امور کے بارے میں آباء واجداد کا حوالہ دے کر انھیں صحیح ٹھہرانا کافروں کا طریقہ ہے۔

گناہوں کا بھیانک انجام

مفتی محمد صابر عالم مصباحی

انسان کسی عمل سے قبل اس کے انجام پر غور کرلے تو اکثر برائی سے بچ جاتا ہے۔ دنیاوی قوانین کی خلاف ورزی کا انجام جرمانہ یا سزا ہے، اسی طرح احکامِ الٰہی کی نافرمانی کا انجام عذاب آخرت ہے۔ ایک عاقل مسلمان کو چاہیے کہ ہر عمل سے پہلے اس کے دنیوی و اُخروی نتائج پر سنجیدگی سے غور وفکر کرے تاکہ نیکی کی رغبت اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو۔

قرآن وحدیث میں گناہوں کے انجام کو نہایت واضح اور عبرت آموز انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ذیل میں چند اہم نتائج احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں پیش کیے جاتے ہیں:

دل پر سیاہ دھبہ اور روحانی زوال

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيئَةً نُكِتَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ۔

جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ کرے تو دل صاف ہوجاتا ہے، اور اگر گناہ بڑھتا رہے تو وہ سیاہی پورے دل پر چھا جاتی ہے۔ (سنن الترمذی، حدیث: ۳۳۳۴)

یہی کیفیت قرآنِ کریم میں "رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم" کے الفاظ سے بیان ہوئی ہے۔ گناہوں پر اصرار دل کی نورانیت چھین لیتا ہے، حتیٰ کہ انسان حق وباطل میں فرق کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ زندہ جسم کے ساتھ مردہ دل — اس سے بڑھ کر خسارہ کیا ہوگا؟

رزق میں تنگی اور برکت کا اٹھ جانا

نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ۔

بے شک آدمی گناہ کے سبب رزق سے محروم کردیا جاتا ہے۔ (مسند احمد، حدیث: ۲۲۳۸۶)

گناہ صرف آخرت ہی کو تباہ نہیں کرتے بلکہ دنیا کی برکتیں بھی سلب کرلیتے ہیں۔ عبادت میں سستی، دل کی بے چینی، کاموں میں رکاوٹ اور گھریلو ناچاقی — یہ سب معاصی کے اثرات ہوسکتے ہیں۔ مال بڑھتا ہوا دکھائی دے مگر سکون کم ہوجائے، تو سمجھ لینا چاہیے کہ کہیں نہ کہیں کوتاہی ضرور ہے۔

مقبولیت کا ختم ہوجانا

حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا... يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ

جب اللہ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اس کے لیے زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ (صحیح البخاری، حدیث: ۳۲۰۹)

اس کے برعکس جب بندہ گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ لوگوں کے دلوں سے گرجاتا ہے۔ وقتی شہرت یا ظاہری تعریف کچھ بھی ہو، مگر آخر کار ذلت ورسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

بے سکونی اور قلبی اضطراب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الْبِرُّ مَا اطْمَأَنَّتْ إِلَيْهِ النَّفْسُ... وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ

نیکی وہ ہے جس سے دل مطمئن ہو، اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے۔ (صحیح مسلم، حدیث: ۲۵۵۳)

گناہ دل میں اضطراب اور بے چینی پیدا کرتے ہیں۔ بظاہر خوش حالی ہو، مگر دل کا سکون چھن جاتا ہے۔ یہ باطنی عذاب انسان کو اندر ہی اندر کھوکھلا کردیتا ہے۔

استاذ و مفتی دارالعلوم فدائیہ نوریہ پاچھور سیا، اتر دیناج پور

برے خاتمے کا خطرہ

نبیِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ... ثُمَّ يُسْبَقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ

آدمی جنتیوں جیسے اعمال کرتا رہتا ہے، پھر آخر میں دوزخیوں جیسے اعمال کرتا ہے اور جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔(صحیح البخاری، حدیث:٦٦٠٧)

اس حدیث پاک میں اس بات کی سخت تنبیہ ہے کہ گناہوں پر اصرار اور توبہ میں تاخیر انسان کو برے خاتمہ تک لے جا سکتی ہے۔ اس لیے ہر لمحہ حسنِ خاتمہ کی دعا ضروری ہے۔

اجتماعی گناہوں کا اجتماعی عذاب

حضور ﷺ نے فرمایا:

لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ... إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ

جب کسی قوم میں بے حیائی عام ہو جاتی ہے تو ان میں وبائیں اور بیماریاں پھیل جاتی ہیں۔(سنن ابن ماجہ، حدیث:۴۰۱۹)

اجتماعی گناہ پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ برکتیں اٹھا لی جاتی ہیں، بے سکونی عام ہو جاتی ہے، اور آفات و مصائب بڑھ جاتے ہیں۔

چھوٹے گناہوں کو معمولی نہ سمجھو

رسولِ اکرم ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

يَا عَائِشَةُ! إِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ، فَإِنَّ لَهَا مِنَ اللَّهِ طَالِبًا۔

اے عائشہ! چھوٹے گناہوں سے بھی بچو، کیوں کہ ان کی طرف سے بھی اللہ کی پکڑ ہے۔(سنن النسائی، نیز سنن ابن ماجہ)

گناہ ابتدا میں معمولی معلوم ہوتا ہے، مگر انجام کے اعتبار سے نہایت ہولناک ہے۔ قطرہ قطرہ پانی بھی پتھر میں سوراخ کر دیتا ہے، اسی طرح چھوٹے گناہ جمع ہو کر انسان کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں۔

قبر اور آخرت کا منظر

ذرا آنکھیں بند کیجیے... اندھیری رات، تنہا قبر، اوپر مٹی کی تہیں، نہ کوئی دوست نہ مال و دولت — صرف انسان اور اس کے اعمال۔ دنیا میں جس گناہ پر ہنسی آتی تھی، قبر میں وہی عذاب کا سبب بن سکتا ہے۔ جب پہلا سوال ہوگا: "مَن رَّبُّکَ؟" تو دل کی حالت ہی زبان کا ساتھ دے گی۔

قیامت کے دن جب ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں گواہی دیں گے تو انسان حسرت سے کہے گا: کاش میں مٹی ہوتا! اس دن نہ دولت کام آئے گی نہ طاقت، صرف ایمان اور نیک اعمال نجات کا ذریعہ ہوں گے۔

ابھی بھی وقت ہے

مگر یاد رکھو! جب تک سانس باقی ہے، دروازۂ توبہ کھلا ہے۔

رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ

گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔(سنن ابن ماجہ، حدیث:۴۲۵۰)

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی سچی توبہ سے خوش ہوتا ہے۔ آنسو کا ایک قطرہ برسوں کے گناہ دھو سکتا ہے۔ آج اگر دل کانپ جائے، آنکھ نم ہو جائے اور سجدہ طویل ہو جائے تو یہی خوف نجات کا سبب بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صغیرہ و کبیرہ تمام گناہوں سے محفوظ رکھے، سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

شرعی رہنمائی

آپ کے سوالات مفتیان عظام کے جوابات

قارئین اپنے سوالات درج ذیل ای میل آئی ڈی اور واٹسپ نمبر پر بھیج سکتے ہیں۔
Paighamemustafa2018@gmail.com WhatsApp 8953078321

فجر کی اذان میں "الصلوۃ خیر من النوم" کہنا بھول گیا تو کیا حکم ہے؟

کیا فرماتے ہین علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر موذن فجر کی اذان میں "الصلاۃ خیر من النوم" کہنا بھول جائے تو اذان ہو جائے گی یا نہیں، کیا اس اذان کو دہرانا پڑے گا؟

المستفتی: محمد منور رضا، گورکھ پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجــــواب : مؤذن فجر کی اذان میں "الصلاۃ خیر من النوم" کہنا بھول جائے تو بھی اذان ہو جائے گی اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں ، فجر کی اذان میں "الصلاۃ خیر من النوم" کا اضافہ مستحب ہے اور ترک مستحب پر اعادہ کا حکم نہیں ہوتا۔

بحر الرائق میں ہے:

"و یز ید بعد فلاح اذان الفجر "الصلاة خير من النوم مرتين" لحديث بلال حيث ذكرها حين وجد النبي صلى الله عليه وسلم نائما فلما انتبه أخبره به فاستحسنه و قال اجعله فی اذانك و هو للندب بقر ينة قوله ما أحسن هٰذا (کتاب الصلاۃ، باب الاذان، ج:۱:ص۴۴۶)

ترجمہ: اذان فجر میں حی علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ الصلاۃ خیر من النوم کا اضافہ کرے؛ کیوں کہ جب حضرت بلال نے نبی کریم ﷺ کو آرام فرماتے پایا تو یہ ذکر کیا، اور جب نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے تو اسے پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا: اسے اپنی اذان مین داخل کر لو اور یہ مستحب ہے کیوں کہ سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ کتنی اچھی بات ہے۔

ہدایہ میں ہے:

"و یز ید فی اذان الفجر بعد الفلاح الصلاة خير من النوم مرتين لأن بلالا رضى الله عنه قال الصلاة خير من النوم حين وجد النبي عليه السلام راقدا فقال عليه السلام ما أحسن هٰذا يا بلال اجعله فی اذانك.(کتاب الصلاۃ باب الاذان، ج:۱:ص۷۰)

ترجمہ: اذان فجر میں حی علی الفلاح کے بعد "الصلاۃ خیر من النوم" کا اضافہ کرے؛ کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب نبی کریم ﷺ کو آرام فرماتے پایا تو "الصلاۃ خیر من النوم" کہا اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے بلال یہ بہت پیاری بات ہے اسے اپنی اذان میں داخل کر لو۔

بہار شریعت میں ہے:

صبح کی اذان میں فلاح کے بعد الصلاۃ خیر من النوم کہنا مستحب ہے۔ (اذان کا بیان، ج:۱:ص۴۷۰) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : **محمد ساجد رضا مصباحی** غفرلہ
خادم الافتاء دار العلوم غریب نواز داہو گنج
منی پٹی، ضلع کشی نگر، یوپی

اسقاط حمل کرانے والے امام کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کا کہنا ہے کہ ہمارے گاؤں کے امام صاحب (بکر) کے پیچھے میں نماز نہیں پڑھتا ہوں، مجھے اس کی امامت سے کراہت محسوس ہوتی ہے، وجہ یہ ہے کہ امام صاحب بار بار اپنی بیوی کا اسقاط حمل کراتے ہیں اور یاد رہے کہ بذریعۂ دوا گھر میں ہی اسقاط کا عمل کیا جاتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شریعت میں اسقاط حمل درست ہے یا نہیں ؟ اگر درست نہیں تو امام صاحب (بکر) کی امامت کا کیا حکم ہوگا؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجـــــواب: مسئلہ یہ ہے کہ حمل میں جان پڑجانے کے بعد اسے ضائع کرنا حرام وگناہ ہے، وجہ یہ ہے کہ یہ ایک معصوم اور محترم انسان کا ناحق قتل ہے، حمل میں جان پڑ جانے کی مدت چار ماہ یعنی ایک سو بیس دن ہے۔ عذر شرعی متحقق ہو تو حمل میں جا ن پڑجانے سے پہلے اسقاط حمل کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔ عذر شرعی کی قدرے وضاحت یہ ہے کہ استقرار حمل کے بعد اگر اس کا ظن غالب ہو جائے کہ مدت حمل میں یا وضع حمل کے وقت خاتون کی صحت سنگین خطرات سے دو چار ہو سکتی ہے اور اس سے حفاظت کا واحد راستہ اسقاط ہی رہ گیا ہے یا اسقاط نہ ہوا تو جان بھی جا سکتی ہے تو حمل میں جان پڑنے سے پہلے اسقاط کی اجازت ہوگی۔ اگر صحیح پرورش و پرداخت اور ضروری دینی تعلیم کی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے اسقاط کرنا چاہے تو اس صورت میں جان پڑنے سے پہلے بھی اسقاط حمل کی اجازت نہ ہوگی۔

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النهر بقی هل يباح الإسقاط بعد الحمل نعم يباح ما لم يتخلق منه شیء ولن يكون ذلك إلا بعد مائة وعشرين يوما وهذا يقتضی أنهم أرادوا بالتخليق نفخ الروح (ردالمحتار، ج:۳، ص:۱۷۶، مطلب فی اسقاط الحمل)

محیط برہانی میں ہے:

وفی «فتاوى أهل سمرقند»: إذا أرادت إسقاط الولد فلها ذلك إذا لم يستبن شیء من خلقه؛ لأن ما لا يستبين شیء من خلقه لا يكون ولداً».(ج:۵، ص: ۲۴۲، کتاب الکراھیہ)

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

وَفِي الْيَتِيمَةِ سَأَلْت عَلِيَّ بْنَ أَحْمَدَ عَنْ إسْقَاطِ الْوَلَدِ قَبْلَ أَنْ يُصَوَّرَ فَقَالَ أَمَّا فِي الْحُرَّةِ فَلَا يَجُوزُ قَوْلًا وَاحِدًا وَأَمَّا فِي الْأَمَةِ فَقَدْ اخْتَلَفُوا فِيهِ وَالصَّحِيحُ هُوَ الْمَنْعُ كَذَا فِي التَّتَارْخَانِيَّة. (ج: ۵، ص: ۳۵۶، کتاب الکراھیہ، الباب التاسع عشر)

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

جان پڑجانے کے بعد اسقاط حمل حرام ہے، اور ایسا کرنے والا گویا قاتل ہے، اور جان پڑنے سے پہلے اگر کوئی ضرورت ہے تو حرج نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، ج: ۲۴، ص: ۳۴۴، مسلہ نمبر: ۸۰)

اب اس تناظر میں صورت مسئولہ کا شرعی حکم یہ ہے کہ بکر اگر حمل میں جان پڑجانے کے بعد یا جان پڑنے سے قبل بلا عذر شرعی اپنی بیوی کا اسقاط حمل کرایا ہے تو اس کی اقتدا میں نماز درست نہیں کہ وہ اس جرم کی وجہ سے فاسق ہے، بلکہ ایسے کو امام بنانا گناہ۔ لو قدموا فاسقا یأثمون بناء علی ان کرهة تقدیمه کراهة تحریم“۔ (غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، فصل فی الامامۃ، ص ۵۱۳)۔ ہاں اگر حمل میں جان پڑنے سے پہلے عذر شرعی کی بنا پر ایسا کرے اور وہ دیگر شرائط امامت کا بھی جامع ہو تو اسے امام بنایا جا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد عارف حسین القادری المصباحی

خادم الافتاء آئینۂ ہند اکیڈمی، اتر دیناج پور

قراءت سے متعلق بعض غلطیوں کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی امام قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ میں قل کی جگہ چھوٹی کاف پڑھے اور اللّٰهُ الصَّمَدُ کی جگہ اللّٰهُ الصمَدُ اگر لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ کی جگہ لُهُ پڑھے اور أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ کی جگہ الْمُفلَحُونَ پڑھے اور لِمَنْ يُقْتَلُ کی جگہ يُقْتِل پڑھے اور حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کی جگہ الْحَتَبِ پڑھے اور الْحَمْدُ کی جگہ الْهَمْدُ پڑھے۔ اس پر شریعت کا کیا حکم ہے، اس کی اقتدا میں نماز ہوگی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں

مستفتی: محمد ارشاد رضا، محمد شبیر احمد مصباحی، محمد شاہ کمال، اتر دیناج پور، بنگال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجـــــواب: صورت مسئولہ میں قراءت سے متعلق امام کی جو غلطیاں درج ہیں ان میں کچھ ایسی صورتیں بھی

ہیں جن میں تغیر معنی اور کچھ میں فساد معنٰی لازم آتا ہے اور حکم شرعی یہ ہے کہ ایک لفظ کے بدلے میں دوسرا لفظ پڑھنے سے اگر معنی فاسد ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ جیسے وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ میں فَاعِلِيْنَ کی جگہ غَافِلِيْنَ پڑھنا۔

اس لیے صورت مسئولہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ امام مذکور کی اقتدا میں نماز درست نہیں، اسے امام بنانا گناہ اور ان کی اقتدا میں پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ لازم ہے، اس پر واجب ہے کہ تصحیح حروف میں رات دن پوری کوشش کرے اور اگر صحیح خواں کی اقتدا کر سکتا ہو تو جہاں تک ممکن ہو اس کی اقتدا کرے یا وہ آیتیں پڑھے جس کے حروف صحیح ادا کر سکتا ہو اور یہ دونوں صورتیں ناممکن ہوں تو زمانۂ کوشش میں اس کی اپنی نماز ہو جائے گی اور اگر کوشش بھی نہیں کرے گا تو اس کی خود بھی نہیں ہوگی دوسرے کی اس کے پیچھے کیا ہوگی۔ آج کل عام لوگ اس میں مبتلا ہیں کہ غلط پڑھتے ہیں اور کوشش نہیں کرتے ان کی نمازیں خود باطل ہیں امامت درکنار۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

وَمِنْهَا ذِكْرُ حَرْفٍ مَكَانَ حَرْفٍ إِنْ ذَكَرَ حَرْفًا مَكَانَ حَرْفٍ ولم يُغَيِّرِ الْمَعْنَى بِأَنْ قَرَأَ إِنَّ الْمُسْلِمُونَ إِنَّ الظَّالِمُونَ وما أَشْبَهَ ذلك لم تَفْسُدْ صَلَاتُهُ وَإِنْ غَيَّرَ الْمَعْنَى فَإِنْ أَمْكَنَ الْفَصْلُ بين الْحَرْفَيْنِ من غَيْرِ مَشَقَّةٍ كَالطَّاءِ مع الصَّادِ فَقَرَأَ الطَّالِحَاتِ مَكَانَ الصَّالِحَاتِ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ عِنْدَ الْكُلِّ وَإِنْ كان لَا يُمْكِنُ الْفَصْلُ بين الْحَرْفَيْنِ إلَّا بِمَشَقَّةٍ كَالظَّاءِ مع الضَّادِ وَالصَّادِ مع السِّينِ وَالطَّاءِ مع التَّاءِ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ قال أَكْثَرُهُمْ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ هَكَذَا في فَتَاوَى قَاضِي خَانْ وَكَثِيرٌ من الْمَشَايِخِ أَفْتَوْا بِهِ قال الْقَاضِي الْإِمَامُ أبو الْحَسَنِ وَالْقَاضِي الْإِمَامُ أبو عَاصِمٍ إنْ تَعَمَّدَ فَسَدَتْ وَإِنْ جَرَى على لِسَانِهِ أو كان لَا يَعْرِفُ التَّمَيُّزَ لَا تَفْسُدُ وهو أَعْدَلُ الْأَقَاوِيلِ وَالْمُخْتَارُ۔ (فتاویٰ عالم گیری، ج:۱، ص:۹۷، کتاب الصلاۃ،)

در مختار ورد المحتار میں ہے:

(وَ) لَا (غَيْرِ الْأَلْثَغِ بِهِ) أَيْ بِالْأَلْثَغِ (عَلَى الْأَصَحِّ) كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنِ الْمُجْتَبَى، وَحَرَّرَ الْحَلَبِيُّ وَابْنُ الشِّحْنَةِ أَنَّهُ بَعْدَ بَذْلِ جَهْدِهِ دَائِمًا حَتْمًا كَالْأُمِّيِّ، فَلَا يَؤُمُّ إلَّا مِثْلَهُ، وَلَا تَصِحُّ صَلَاتُهُ إذَا أَمْكَنَهُ الِاقْتِدَاءُ بِمَنْ يُحْسِنُهُ أَوْ تَرَكَ جُهْدَهُ أَوْ وَجَدَ قَدْرَ الْفَرْضِ مِمَّا لَا لَثْغَ فِيهِ، هَذَا هُوَ الصَّحِيحُ الْمُخْتَارُ فِي حُكْمِ الْأَلْثَغِ، وَكَذَا مَنْ لَا يَقْدِرُ عَلَى التَّلَفُّظِ بِحَرْفٍ مِنَ الْحُرُوفِ۔ (در مختار و رد المحتار، ج:۲، ص:۳۹۵، کتاب الصلاۃ، باب الامامہ)

رد المحتار میں ہے:

أَنَّهُ مَا دَامَ فِي التَّصْحِيحِ وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ فَصَلَاتُهُ جَائِزَةٌ وَإِنْ تَرَكَ جَهْدَهُ فَصَلَاتُهُ فَاسِدَةٌ۔

نیز اسی میں ہے:

أَطْلَقَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْمَشَايِخِ مِنْ أَنَّهُ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ لَا يَؤُمَّ غَيْرَهُ۔ (رد المحتار، کتاب الصلاہ، باب الامامہ، مطلب فی الالثغ، ج:۲، ص:۳۹۵۔)

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

يَجِبُ أَنْ لَا يَتْرُكَ الْأُمِّيُّ اجْتِهَادَهُ فى آنَاءِ لَيْلِهِ وَنَهَارِهِ حتى يَتَعَلَّمَ مِقْدَارَ ما يَجُوزُ بِهِ الصَّلَاةُ فَإِنْ قَصَّرَ لم يُعْذَرْ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى كَذَا فى النِّهَايَةِ۔ (فتاویٰ عالم گیری، ج:۱، ص:۸۶، کتاب الصلاہ، الباب الخامس فی الامامہ، الفصل الثالث)۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

اگر ایسی غلطیاں کرتا ہے کہ معنی میں فساد آتا ہے مثلاً حرف کی تبدیل جیسے ع ط ص ح ظ کی جگہ و ت س ہ ز پڑھنا کہ لفظ مہمل رہ جائے یا معنی میں تغیر فاحش راہ پائے یا کھڑا پڑا کی بدتمیزی کہ حرکات بڑھ کر حروف مدہ ہو جائیں اور وہی قباحتیں لازم آئیں، جس طرح بعض جہال نستعین کو نستاعین پڑھتے ہیں کہ بے معنی یا لا الی اللہ تحشرون بلام تاکید کو لالی اللہ تحشرون بلائے نافیہ کہ تغیر معنی ہے تو ہمارے ائمہ متقدمین کے مذہب صحیح و معتمد محققین پر مطلقاً خود اس کی نماز باطل ہے اور جب اُس کی اپنی نہ ہوگی تو قواعد داں وغیرہ کسی کی اس کے پیچھے نہ ہو سکے گی فان صلوۃ المأموم مبتنیۃ علی صلوۃ الامام۔ اور اگر غلطی یوں ہے کہ حرف بروجہ صحیح ادا نہیں

کر سکتا جس طرح آج کل عام دہقانوں اور بہت شہریوں کا حال ہے تو اب جمہور متاخرین کا بھی فتوٰی اسی پر ہے کہ اس کے پیچھے صحیح خواں کی نماز باطل کما افادہ العلامۃ الغزی والعلامۃ الخیر الرملی وغیرھما۔ اور اگر عجزیوں ہے کہ سیکھنے کی کوشش نہ کی یا کچھ دنوں کرکے چھوڑ دی اگر لپٹا رہتا تو امید تھی کہ آجاتا جب تو ایسی غلطی ان کے نزدیک بھی خود اس کی اپنی نماز بھی باطل کرے گی غرض ایسا شخص امام بنانے کے لائق نہیں،، (فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۶،ص:۴۹۰،۴۸۹)

بہار شریعت میں ہے:

ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنا اگر اس وجہ سے ہے کہ اس کی زبان سے وہ حرف ادا نہیں ہوتا تو مجبور ہے، اس پر کوشش کرنا ضروری ہے، اگر لاپرواہی سے ہے جیسے آج کل کے اکثر حفاظ وعلما کہ ادا کرنے پر قادر ہیں مگر بے خیالی میں تبدیل حرف کر دیتے ہیں، تو اگر معنی فاسد ہوں نماز نہ ہوئی، اس قسم کی جتنی نمازیں پڑھی ہوں ان کی قضا لازم۔ (بہار شریعت، ج:۱،ح۳:،ص:۵۵۷) واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ: محمد عارف حسین القادری المصباحی

خادم الافتاء آئینۂ ہند اکیڈمی، اتر دیناج پور

توشیحی نظم در شان آبروئے قلم، فخر صحافت، حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ

نتیجۂ فکر: **مولانا طفیل احمد مصباحی**

(م)

'مبارک' ماہِ تابانِ صحافت
قلم کی آبرو، زیبِ خطابت

(ب)

برائے دعوت و تبلیغ حضرت
رہے کوشاں بصد اخلاص و محنت

(ا)

ادب کے آسماں کے ماہِ کامل
شعور و آگہی و فن کے حامل

(ر)

رہِ عشق و وفا کے آپ راہی
اذانِ عشق و الفت کے مُنادی

(ک)

کریم النفس تھے اخلاق اعلیٰ
شریف و باحیا، دانا و بینا

(ح)

حُدی خوانِ جماعت، داعیِ دیں
عزیزی گلستاں کے ایک گلچیں

(س)

سدا لوح و قلم سے رکھّا رشتہ
رہا ابطالِ باطل ان کا پیشہ

(ے)

یمِ تحریر ان کا موج زن تھا
قلم ان کا وہابیّت شکن تھا

(ن)

نقیبِ ملتِ بیضا، مفکّر
محقق، ناشرِ مسلک، محرّر

(باقی صفحہ:40پر)

قرآن کے علمی و فنی محاسن

مولانا فروغ القادری لندن

محمد وہ کتاب کون کے طغراے پیشانی
محمد وہ حریم قدس کے شمع شبستانی
وہ ناطق جس کے آگے مہر بر لب بلبل سدرا
وہ اُمّی جس کے آگے عقل کل طفل دبستانی

قرآن عظیم انسانی فلاح و نجات کے لیے خداوند قدّوس کا آخری فرمان ہے۔ جو کون و مکاں کے تاجدار، عالم نور کے پیکر لطیف حضور نبی اکرم ارواحنا فداہ کے ذریعے عالم انسانیت کی ہدایت کے لیے اتارا گیا۔ اللہ ربّ العزّت کا اس امّت مرحومہ پر یہ بے پایاں احسان ہے کہ اس نے " اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ "کی خوش خبری سنائی اور دین اسلام کی تکمیل فرما کر اس کی حفاظت کا ناقابل تسخیر انتظام فرمایا۔

صبح قیامت تک کے لیے قرآن عظیم کو تحریف لفظی سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنے مخصوص اور منتخب بندوں کے امانت دار سینوں کو اس کا محافظ بنادیا، اور شارع اسلام علیہ الصلاۃ والسّلام کے قول و فعل کو حجت بنا کر معانی قرآن میں تحریفی عمل کا ہمیشہ کے لیے سدّباب فرمایا۔ قرآن عظیم تمام آسمانی کتابوں میں افضل اور تمام حکمتوں اور خوبیوں کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ یہ ایک ایسی حیرت انگیز کتاب ہے جو ہمیں مملکت الٰہی اور آفاق و انفس کا مشاہدہ کرواتی ہے۔ عرصۂ حیات میں وہ غیر مرئی طاقت جو اس کائناتی نظام میں اپنا براہ راست اثر و نفوذ رکھتی ہے۔ وہ مابعد الطبیعی حقیقتیں جنھیں نہ ہم دیکھ سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں یہ کتاب اپنی سحر انگیز تاثیر سخن کے ساتھ حالات و واقعات کی ایسی منظر کشی کرتی ہے کہ "عالم غیب" "عالم شہود" کی منزل میں محسوس ہوتا ہے۔ بلکہ ایک مدبّر کائنات کا زندہ تصور نگاہوں کے سامنے لاکر رکھ دیتی ہے۔ قرآن عظیم کا مطالعہ انسانی فکر و نظر کو ایسے مقام پر لاکر کھڑا کر دیتا ہے جہاں اسے اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ فضائے بسیط کا انتظام کسی کے ذمّۂ کرم میں ہے۔ جو اشیاء کو عالم عدم سے عالم وجود میں لاتا ہے، کائنات کے ایک ذرّے پر جس کی قدرت کاملہ کی پہرہ داری ہے۔ وہ ہمارا خدا ہے۔ جو ربّ العالمین اور وحدہٗ لاشریک ہے۔ شرق و غرب کی ساری وسعتیں اس کی بارگاہ عظمت پر سر خمیدہ ہیں۔

"وہ جو چاہے تو اٹھے سینۂ صحرا سے حباب۔"

قرآن عظیم کی فصاحت و بلاغت اور اعجاز تاثیر کی ایک بنیادی وجہ اس کی جامعیت ہے۔ وہ اقوام عالم کی تاریخ اور احکام و قوانین کا مجموعہ ہے، سلسلۂ ترسیل رُسل اور نزل صحف آسمان کی تمام تر اخلاقی تعلیمات کا جامع ہے۔ قرآن عظیم میں اخلاق و مواعظ بھی ہیں، اور احکامات و فرائض بھی، سلیقۂ مناجات بھی ہے، اور شعور عبادت بھی، امثال و شرائع بھی ہیں اور توضیح و تبیین بھی۔ نظام کائنات سے متعلق ایسی کوئی بات نہیں جس کی وضاحت اس کتاب مقدس میں نہ کی گئی ہو۔ قرآن عظیم کی تلاوت اور اس کے مفاہیم و معانی میں تدبر تفکر افضل ترین عبادت ہے۔ بلکہ اسلامی نظام حیات کی تمام تر عمارت اسی پر استوار ہے۔ یہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان عقیدت کیش مسلمانوں کی فیروز بختی ہے کہ انھوں نے قرآن عظیم کے لازوال پیغام عمل کے ساتھ اپنے سینوں کو منوّر کیا۔ اور اس بحر ذخار میں غوّاصیوں کے بعد علوم و فنون کے ایسے ایسے لعل و جواہر دنیا کے سامنے پیش کیے، جن کی سابقہ اقوام و ادیان میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ کسی نے لغات قرآنی، تحریر کلمات، مخارج و حروف، اور عدد حروف و کلمات و آیات کو موضوع سخن بنایا۔ کسی نے معرب و مبنی، اسما و افعال اور حروف قرآن کو، اور کسی نے قرآن عظیم کے عقلی دلائل اور اصول و شواہد کو سامنے رکھ کر اصول دین کا استنباط کیا۔ اور کسی نے عموم و خصوص، حقیقت و مجاز، ظاہر و مجمل، محکم و متشابہ، امر و نہی، حلال و حرام کے اعتبار سے اصول و فروع کا تعین کیا، اور کسی نے قرآن عظیم کے الفاظ کی عمدگی، نظم کی خوبی، سیاق و سباق کے حسن اور ایجاز و اطناب کی طرفہ طرازیوں پر قلم اٹھایا اور معانی و بدیع جیسے علوم سے دنیا پہلی بار آشنا ہوئی قرآن عظیم کی عبادت ایسی فصیح و بلیغ اور مضامین ایسے عالی ظرف ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ایک ناصح نصیحت کر رہا ہے اور ایک ماہر حکیم و فلسفی حکمت الٰہی بیان کر رہا ہے۔ یہ در اصل قرآن

عظیم کا اعجاز ہے کہ اس کے نزول کو صدیاں گذر گئیں تاہم جب بھی اس کا مطالعہ یکسوئی فکر و نظر کے ساتھ کیا جائے گا اس میں دنیا و آخرت کی فلاح و بہبودی کے تمام اسباب اپنی کرشمہ سازیوں کے ساتھ پائے جائیں گے۔"ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔"

قرآن عظیم اپنی فصاحت و بلاغت اور ایجاد معانی و مطالب کی بنیاد پر اپنی ذات میں اس بات کی علامت ہے کہ وہ خالق کائنات کی نازل کردہ کتاب ہے جو اپنی ابتدائی صورت کے ساتھ آج بھی موجود ہے جیسا کہ وہ ساتویں صدی عیسوی میں پیغمبر گرامی وقار ﷺ پر اترا تھا۔ ان خصوصیات نے قرآن عظیم کے پیغام کو اس قدر مضبوط اور منظم بنا دیا ہے کہ جب بھی اسے پڑھا جائے گا اقوام عالم کے دل و دماغ کو مسخر کرے گا۔ قرآن عظیم جو اس وقت دنیا میں موجود ہے بلا شبہ وہ حرفاً حرفاً وہی جو منزل من السما ہے۔ اس حقیقت پر خود غیر مسلم مفکرین کی شہادتیں اور اعترافات کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ ہاں البتہ بعض مستشرقین یورپ نے عہد صحابہ میں قرآن عظیم کے مختلف طرق تلاوت کو کلام الٰہی کے غیر متبدّل ہونے پر سوالیہ نشان لگائے ہیں، ساتھ انھوں نے ایسے مصاحف کا بھی ذکر کیا ہے جو "صحف عثمانی" سے مختلف تھے، لیکن ان تمام اعتراضات کا حقائق پسندانہ جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سراسر وضعی، ضعیف اور صاحب قرآن کی ذات گرامی کے ساتھ ان مستشرقین کے قلبی عناد اور فکری انحراف کا نتیجہ ہے چناں چہ خود مغرب کے متعدّد ارباب وفکر و نظر نے اپنی ذاتی تحقیق کے بعد اس بات کا برملا اعتراف کیا ہے کہ قرآن عظیم غیر محرّف اور ہر طرح کے تغیر و تبدّل سے محفوظ ہے۔ مثلاً مشہور مستشرق HORTWIG HIRSCFELD اپنی کتاب

"NEW RESEARCHES INTO THE COMPOSITION AND EXEGESIS OF THE QURAN"

میں لکھتا ہے کہ:

"عہد حاضر کے نقّاد اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کے موجودہ نسخے اس اصلی نسخے کا ہو بہو عکس ہیں، جسے (حضرت) زید نے لکھا تھا اور قرآن کا متن بعینہ وہی ہے جیسے پیغمبر اسلام محمدّ (ﷺ) نے اپنے کاتب سے لکھوا دیا تھا۔" (SIR WILLIAM MURE) "سر ولیم میور" جیسا متعصّب اہل قلم اپنی کتاب "LIFE OF MOHAMMAD" میں لکھتا ہے:

"یہ یقینی بات ہے کہ قرآن جس شکل میں ہمارے پاس اس وقت موجود ہے یہ بعینہ اسی شکل میں ہے (حضرت) محمد ﷺ کی زندگی میں جمع اور مرتب ہو چکا تھا۔"

اسی طرح سر جان ہمرٹن SIR JOHN HAMMERTON (1871-1949) کے زیر اہتمام یہاں لندن میں "یونیورسل انسائیکلوپیڈیا" گیارہ جلدوں میں شائع ہوا تھا۔

NOTE:- HARMSWOTH'S UNIVERSAL ENCYCLOPEDIA IS AN ENCYCLOPEDIA, EDITED BY JOHN HAMMERTON AND PIBLISH IN LONDON BY THE EDUCATION BOOK CO. IN 1922.

اس میں قرآن کے عنوان سے جو مقالے درج ہے اس میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ:

"یہ کتاب پیغمبر اسلام محمد (ﷺ) کی زندگی کے آخری ۲۳؍ سالوں میں مکہ اور مدینہ دونوں مقامات پر نازل ہوئی۔ اور مسلمانوں کے عقیدے میں یہ کلام الٰہی ہے، بہ خلاف حدیث کے جو مجموعۂ کلام رسول ہے قرآن پیغمبر اسلام کی زندگی میں انھیں کی نگرانی وہدایت کے مطابق ضبط تحریر میں آگیا تھا۔ ان کے جاں نثار صحابہ نے حیرت انگیز طور پر اسے حفظ کر لیا تھا۔ اور معمول آج تک جاری ہے۔ چناں چہ دنیا بھر میں صد ہا مسلمان قرآن عظیم کے حافظ ہیں اور بغیر کسی خطائے لفظی کے اسے دہرا سکتے ہیں۔ اس کتاب کا دعویٰ ہے کہ اس میں تمام کتب آسمانی کے حقائق سمو دیے گئے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اللہ کی آخری اور ناقابل تغیّر کتاب ہے۔ نیز یہ کہ نوع انساں کے لیے جامع ترین دستور العمل ہے۔ مذکورہ باتوں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ اسلام دین فطرت کی آخری توضیح، اور یہی دین، حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ اور سارے قدیم انبیا کا رہ چکا ہے۔ ان تمام تر تفصیلات کے بعد یہ کہنا حد درجہ باوثوق ہوگا کہ "اسلام کا غیر محرّف ہونا مسلّم ہے."

یہاں یورپ میں رہتے ہوئے مجھے اکثر و بیشتر "بین المذاہب کانفرنسوں" INTER-FAITH-CONFERENCES میں جانے کے مواقع رہتے ہیں اپنی مذہبی عظمت اور اس کے داعیات کو بیان کرتے ہوئے مسیحی علما سے میں نے متعدّد مقامات پر یہ سنا ہے کہ "یہ انجیل مقدس (بائبل) وہی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر جلوہ گر ہوئے تھے۔ مگر اس دعوے کے ثبوت میں ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت دنیا کے چند مشہور مذاہب کی جو کتابیں

موجود ہیں، ان میں سے کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں جس کے متعلق خود اس مذاہب کے متبعین کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ اپنی اصلی اور غیر محرّف شکل میں وہی ہیں، جو ان کے مذہب کے بانی نے انھیں دی تھیں۔ یہ تمام کتابیں انسانی تحریفات کا مجموعہ بن کر رہ گئی ہیں۔ لہٰذا! ان کتابوں کے مطابق عمل کرنے سے کوئی بھی شخص اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے کہ وہ خدا کی دی ہوئی راہ نمائی کا اتباع کرتا ہے۔ ساتھ ہی یہ کہنا کہ اگر دنیا کے مختلف مذاہب کے پیروکار اپنے اپنے مذہب کی کتابوں پر کاربند ہو جائیں، تو بعض حلقوں میں ان کے متعلق تسلیم کیا جائے کہ سچائی کے راستے پر ہیں، یہ حقیقت سے براہ راست انکار ہے۔ جب کسی مذہب کے پاس اسلام کے علاوہ آسمانی تعلیمات منزّہ شکل میں موجود ہی نہیں، تو ان کے لیے خدائی احکامات پر عمل پیرا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب ان تمام تر کتب آسمانی کی تعلیمات و صداقت قرآن عظیم کے اندر موجود ہے۔ جو اس ربّ کائنات جلّ شانہٗ کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے ان تمام کتب سابقہ کو اپنے منتخب انبیا و رُسُل پر نازل فرمایا تھا۔ قرآن عظیم قدرت کا وہ شاہ کار ہے اس میں وہ ساری تعلیمات یکجا کر دی گئی ہیں جو اصولی طور پر کتب سابقہ میں وقتاً فوقتاً دی جا رہی تھیں۔

انبیاے سابقین صرف اپنی اپنی قوم کی طرف تشریف لاتے رہے۔ لیکن رسول اعظم ﷺ کو مختار کل بنا کر تمام دنیا کے انسانوں کی طرف بھیجا گیا۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (۱۵۹/۷)

ترجمہ: تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ (کنزالایمان)

جب " نوع انساں " سے کہا گیا تو اس کے معنٰی یہ ہوئے کہ اس میں قیامت تک آنے والے انسان شامل ہیں۔ چناں چہ اس کی وضاحت کر دی کہ اگرچہ اس رسول کے اوّلین مخاطب وہی قوم ہے، جس میں یہ جلوہ گر ہوئے تھے۔ تاہم یہ ان کے علاوہ ان انسانوں کے لیے بھی رسول ہیں جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ۔ (۶/۱۱۶)

ترجمہ: اور پوری ہے تیرے رب کی بات سچ اور انصاف میں اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں۔ (کنزالایمان)

جو کتاب ہر طرح سے مکمل ہو، اس میں کسی طرح ردّ و بدل کی گنجائش نہ ہو، تمام عالم انسانی کے لیے آسمانی ہدایت اور ضابطۂ حیات ہو، اس کا محفوظ رہنا بلا شبہ ضروری تھا۔ لہٰذا اس کتاب کے نازل کرنے والے نے اس کی حفاظت خود اپنے ذمۂ کرم میں لے رکھی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ ۔(۵/۹)

ترجمہ: بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (کنزالایمان)

قرآن عظیم تمام نوع انسانی کی ہدایت کے لیے خدا کی آخری کتاب ہے۔ ظاہر ہے کہ نبی بھی خدا ہی کی طرف سے جلوہ گر ہوتے ہیں تاکہ وہ وحیِ الٰہی کو عام انسانوں تک منتقل کر سکیں۔ جب وہ وحی اپنی مکمل غیر متبدل اور محفوظ شکل میں انسانوں کے پاس موجود ہو تو پھر کسی نبی کے آنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ چناں چہ یہی وجہ ہے رسول گرامی وقار ﷺ کی تشریف آوری کے بعد سلسلۂ نبوت و رسالت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا۔ اور انھیں "خَاتَمَ النبیین" کہہ کر مخاطب کیا گیا۔ قرآن عظیم صبح قیام تک اپنی حقیقی اور اصلی شکل میں باقی رہنے والی کتاب ہے۔ جس کا ایک ایک لفظ غیر متبدل ہے۔ اس دعوے کی تصدیق، خود اس کتاب کی شہادات اور تاریخ کے بیانات کرتے ہیں۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۔ (۲۵/۳۲)

ترجمہ: کفار اعتراض کرتے ہیں یہ قرآن اس رسول پر ایک بار کیوں نہ نازل ہو گیا۔

یہ معمول تھا کہ تدریجاً جس قدر وحیِ الٰہی نازل ہوتی، اسے نہایت ہی احتیاط اور ضبط کمال کے ساتھ تحریری عمل میں لایا جاتا۔ مقدس صحابۂ کرام اسے اپنے طور پر لکھا کرتے تھے، تاہم بارگاہ نبوی ﷺ سے بھی اس کا خصوصی اہتمام کیا جاتا۔ اور عظیم الشان ذمہ داری کے لیے حد درجہ قابل اعتماد درس گاہ نبوی سے فیض یافتہ "کاتبین وحیِ الٰہی" کا انتخاب کیا جاتا تھا، جو نہ صرف فن کتابت ہی کے ماہر ہوں بلکہ سیرت و کردار کے اعتبار سے بھی رفیع المنزلت ہوں۔

فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝۱۳ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۝۱۴ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ۝۱۵ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝۱۶ ۔ (سورۂ عبس: ۱۳، ۱۶/ ۸۰)

ترجمہ: ان صحیفوں میں کہ عزّت والے ہیں، بلندی والے، پاکی والے، ایسوں کے ہاتھ لکھے ہوئے جو کرم والے، نکوئی والے۔

(کنزالایمان)

قرآن عظیم کی آیات مقدسہ کو حفاظت کی غرض سے اسے عام پر ان اوراق پر لکھا جاتا تھا، جو اس زمانۂ قدیم کے رواج کے مطابق باریک کھال (رقّ) سے بنائے جاتے تھے۔ جو عہد جدید کے کاغذات کہیں زیادہ نفیس اور عمدہ ہوتے تھے۔ ہزار ہا برسوں کی قلمی مطبوعات آج دنیا بھر کے عجائب خانوں میں آج اسی طرح کے چربی کاغذات پر محفوظ ہیں۔

وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿۲﴾ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ﴿۳﴾ (۵۲،۲،۳)

ترجمہ: پھیلے ہوئے رقّ پر لکھی ہوئی کتاب اسی طرح یہ وحیِ الٰہی کتابی شکل میں محفوظ ہوتی چلی جاتی تھی۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ۙ﴿۷۷﴾ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ﴿۷۸﴾.

بعض معترضین کا یہ کہنا کہ قرآن عظیم عہد رسالت کے بعد لکھا گیا یہ قطعی درست نہیں، بلکہ مکمل قرآن کی کتابت عہد رسالت ہی میں ہو چکی تھی، اور اسی کتابت کی بنیاد پر عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں قرآنی خدمت انجام دی گئی۔ بلا شبہ خلیفۂ اوّل سرکار صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا امّت مسلمہ پر عظیم احسان ہے کہ آپ نے کلام الٰہی قرآن مجید کی تدوین ثانی فرمائی۔ تاہم کتب روایات ایسی بے شمار شہادات ملتی ہیں کہ آپ نے اسی نہج پر اس کام کی تکمیل فرمائی، جس ترتیب کے ساتھ عہد رسالت میں یہ قرآن عظیم مرتّب و مدوّن تھا۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں اس کی عام نشر و اشاعت ہوئی۔ فرق صرف یہ تھا عہد رسالت میں قرآن مختلف اوراق میں محفوظ تھا، عہد صدیقی میں صحائف کی شکل میں الگ الگ سورتیں لکھی گئیں، اور عہد عثمانی میں ایک مصحف کے اندر تمام آیات و سورت کو یکجا مرتب کر لیا گیا۔ قرآن عظیم کی آیات و سورت کے مابین جو ترتیب عہد صدیقی اور عہد عثمانی کے مصاحف میں باقی رکھی گئی تھی یہ دراصل وہی ترتیب تھی، جو عہد رسالت کے نامور حفّاظ کے امانت دار سینوں میں محفوظ تھی، اور جسے صحابۂ کرام نے معلّم کتاب و حکمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی درس گاہ فیض سے حاصل کیا تھا۔ قرآن عظیم کے جمع و ترتیب کے حوالے سے سرکار صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس تاریخ ساز اور رفیع المرتبت کارنامے کی اہمیت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

"یہی جمع قرآن در مصاحف جس پر اللہ کا ارشاد " وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ "، منطبق ہوا ہے۔ اور جس کی بشارت " اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ " میں موجود ہے۔ جب تک دنیا میں قرآن اور ایک کلمہ گو بھی موجود ہے، حضرت سیّدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احسان سے امت مسلمہ عہد برآ نہیں ہو سکتی۔

زانکہ کہ ملّت را حیات از عشق اوست
برگ و ساز کائنات از عشق اوست

بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ . (۲۹/۴۹)

ترجمہ: یہ واضح آیات ان لوگوں کے سینے میں محفوظ ہے جنھیں وحیِ الٰہی کا علم دیا گیا۔

البتہ ایک اہم ضرورت یہ تھی کہ امت کے مخصوص قبائل کے پاس قرآن عظیم کے اپنے اپنے نسخے موجود تھے۔ "مدینۃ الرسول" میں مستند صحیفہ (MASTERCOPY OF HOLY QURAN) موجود تھا اس لیے اہل مدینہ کو اس باب میں کوئی دقّت در پیش نہیں آتی تھی کہ وہ وہ اپنے اپنے نسخوں کو اس مستند صحیفے سے ملا کر اپنے نسخے کی صحت سے متعلق مطمئن اور متیقن ہو جائیں، تاہم وہ افراد جو حدود مدینہ سے باہر قیام پذیر تھے انھیں اس حوالے سے کسی دشواری ک امکان باقی تھا، اس مقصد کے لیے ضروری تھا قرآن عظیم کے مستند نسخے مختلف مراکز اسلامی میں موجود ہوں۔ یہ نسخے حکومت کی طرف سے معتمد کاتبین کے ذریعے مرتّب کر کے بھیجے جاتے تھے، اس میں یہ آسانی تھی کہ لوگ ان نسخوں سے ملا کر اپنے اپنے نسخوں کو ملا لیا کرتے تھے۔ "امام ابن حزم" نے یہ لکھا ہے کہ خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں، مسلمانوں کے پاس اس کتاب عظیم کے لکھے ہوئے نسخے ایک لاکھ سے کم نہ تھے۔" (کتاب المفصل، الملل والنحل) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں جو سات (یا بعض روایات کے مطابق آٹھ) مستند اور مصدقہ نسخے مرتب کرائے تھے، اور ان میں سے ایک مدینہ طیّبہ میں رکھ کر باقی ممالک اسلامیہ کے مختلف شہروں میں بھیجے تھے۔ اس کی تفصیل کتب تاریخ میں ملتی ہے۔ انھوں نے اس بات کا اہتمام فرمایا کہ قرآن عظیم کا کوئی ایسا نسخہ نہ رہے جو ان مستند اور مصدقہ نسخوں کے مطابق نہ ہو۔ اور ایسا کرنا نہایت ہی ضروری تھا، اس لیے کہ لوگوں نے جو نسخے اپنے طور پر مرتب کیے تھے ان میں سہو اور خطاء کا امکان ہو سکتا تھا۔ عہد عثمانی میں باضابطہ طور پر تمام اسلامی مراکز کو جو اس دور کے لحاظ سے اہم تصور کیے جاتے تھے انھیں یہ مصدقہ نسخہ بھیجا گیا کہ وہاں کے مقامی

افراد اسی کے مطابق اپنے نسخۂ قرآنی کو مرتب کر لیں۔

حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مستند قرآنی نسخوں میں جو نسخہ مدینہ طیّبہ میں رکھا اور جو بوقتِ شہادت آپ کے سامنے موجود تھا، اس کا سراغ باوثوق ذرائع سے چوتھی صدی ہجری تک ملتا ہے۔ چناں چہ تیسری صدی کے ایک محقق "ابو عبیدہ القاسم بن سلام" (متوفّی ۲۲۳ھ) نے "کتاب القرأت" میں بیان کیا ہے کہ اس نے اس مصحف کو خود دیکھا تھا۔ "مشہور سیّاح ابن بطوطہ" کا بیان ہے کہ اس نے اسے آٹھویں صدی ہجری میں بصرہ میں دیکھا تھا۔ دسویں صدی ہجری ابوتیمور کے زمانے میں ابوبکر الشاشی نے اسے حضرت عبداللہ کے مزار پر دیکھا تھا۔ جب روس میں بالشویک حکومت قائم ہوئی تو یہ نسخہ ان کے ہاتھ آگیا۔ اس کے متعلق ۱۹۵۹ء میں روس کے ایک رسالہ "سویت دیس" جو اطلاعات شائع ہوئی تھیں، ان میں کہا گیا تھا کہ یہ "مصحف عثمانی" سلطان تیمور کے کتب خانے میں تھا جو ۱۳۹۳ء سمر قند میں قائم کیا گیا تھا۔ اس کے بعد معلوم نہیں کہ کن حالات کے تحت یہ نسخۂ قرآنی اس کتب خانے سے نکل کر سمرقند کی "مسجد خواجہ احرار" میں آ گیا، اور صدیوں تک اس مسجد کے ایک مرمریں ستون سے قریب چاندی اور سونے سے مرصّع صندوق میں محفوظ رہا۔ ۱۸۶۸ء میں روسی شہنشاہیت بخارا پر قابض ہوئی تو روسی گورنر جنرل "وان کاف مان" (RUSSIAN GOVERNOR VON KAVFMAN) نے خرید کر پیٹرس برگ (PERERS BURGH MOSCOW) کے شاہی کتب خانے میں تحفۃً بھیج دیا۔ ۱۹۱۷ء کے انقلاب روس کے بعد یہ نسخہ حکومت کے ایک فرمان کے مطابق روسی پارلیمنٹ کے مسلم نمائندوں کے ایک جلسے میں اوفا پہنچا، پھر اسے تاشقند لایا گیا۔ روسی نشریہ میں اس نسخے پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کے نشانات کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ روسی مستشرقین نے اس کی قدامت تسلیم کر لی ہے۔ (ماخذ ابو محفوظ الکریمی معصومی، مصحف عثمانی کے تاریخی نسخے، مطبوعہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ۱۹۶۱ء)

ایک نسخۂ قرآنی مدینہ طیبہ میں موجود تھا، جسے جنگ عظیم دوم میں ترکی کے گورنر فخری پاشا دوسرے تبرکات قسطنطنیہ استنبول لے گئے اب یہ وہاں کے "ٹوپ کاپی میوزیم استنبول ترکی" (TOPKAPI MUSEUM TURKEY) میں موجود ہے۔ میں نے اپنے دورۂ ترکی کے موقع سے استنبول میں ان تمام تبرکات کی زیارت کی تھی جن میں بیشتر کا تعلق عہدِ رسالت سے تھا۔ مذکورہ میوزیم کے ایک افسر نے مجھے بتایا کہ وہ نسخۂ قرآنی جو بوقتِ شہادت حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلاوت فرما رہے تھے جس پر کہ ان کے خون کے نشانات بھی موجود ہیں۔ وہ یہیں محفوظ ہیں۔ عام دنوں میں نہیں صرف رمضان المبارک میں ہر سال اس کی زیارت کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔

ایک نسخہ کے متعلق مولانا شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ انھوں نے اسے جامعہ دمشق میں ۱۸۹۴ء میں دیکھا تھا۔ ایک اور نسخے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ فاس میں ہے۔ ایک "کتب خانہ خدیویہ مصر" اور ایک نسخہ البرٹ میوزیم لندن (ALBERT MUSEUM LONDON) میں رکھا گیا ہے۔ ان کے علاوہ متعدّد صحابۂ کرام کے مقدس ہاتھوں سے لکھے گئے قرآنی شہ پارے ہندوستان، ایران، مراکش، مصر، عرب اور ترکی کے کتب خانوں اور عجائب گھروں میں محفوظ ہیں صاحبِ قرآن آقائے دوجہاں سرورِ کائنات اروا حنا فداہ ﷺ کی حیات ظاہری سے آج تک مسلمانوں کی عام آبادی نہیں بلکہ ان کی سلطنتیں مختلف ملکوں میں مسلسل اور متواتر چلی آرہی ہیں۔ ہر بندۂ مومن کا قرآن عظیم پر مکمل ایمان و عقیدہ ہے۔ اس کا کم از کم ایک نسخہ ہر گھر میں موجود ہے۔ صدیوں سے طلباء اس کے علمی و فنی محاسن سے براہ راست استفادہ کر رہے ہیں۔ تفسیر قرآن پر مشتمل ہزار ہا کتابیں اب تک لکھی گئی ہیں۔ اس پورے عرصۂ حیات میں قرآن عظیم کے کسی ایک بھی ایسے نسخے کا سراغ نہیں ملتا جو دوسرے نسخوں سے مختلف ہو۔ علاوہ ازیں عہدِ رسالت سے لے کر آج تک کروڑوں کی تعداد میں حفّاظ کرام مسلسل اور پیہم چلے آرہے ہیں۔ نماز تراویح اور پنج وقتہ نمازوں میں اس کی شب و روز تلاوت ہوتی ہے۔ ان تمام حقائق کے تسلیم کیے جانے کے بعد اب کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ قرآن عظیم اپنی حقیقی اور اصلی شکل و صورت میں قیامت تک باقی رہنے والی کتاب ہے۔ کلام الٰہی اور دین اسلام کی یہی وہ ناقابل تسخیر عظمت اور ناقابل شکست قوت ہے جو صدیوں سے دانشوران فرنگ کو ورطۂ حیرت میں ڈالے ہوئے ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۗ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ

(الانعام ۱۱۵/۸)

ترجمہ: اور پوری ہے تیرے رب کی بات سچ اور انصاف میں، اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں۔ (کنزالایمان)

قرآن عظیم وہ بلند رتبہ کتاب ہے جو کائنات ارضی و سماوی کے علاوہ دیگر علوم و فنون کی جامع ہے۔ نیز وہ اپنے دعویٰ کی دلیل بھی خود ہے۔ یہ قرآن عظیم کا اعزاز ہے کہ اس نے "لا رطب ولا یابس" کہہ کر علوم آفاق و انفس کا احاطہ کرلیا ہے۔ چناں چہ علوم قرآنیہ کے بارے میں مفسرین و محققین نے اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر بہت کچھ لکھا ہے۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا ہے کہ قرآنی علوم کی تعداد تقریباً تین لاکھ نو ہزار آٹھ سو ہے اور الحمدللہ سے لے کر والنّاس تک استعمال ہونے والا ہر کلمہ کسی نہ کسی علم اور فن کی بنیاد ہے۔ (قانون التاویل)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قرآن کے ہر حرف کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے، پھر ظاہر و باطن کے لیے ایک حد آغاز اور ایک حد اختتام ہے۔ حضرت امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اعوذ باللہ اور بسم اللہ میں لاکھوں مسائل کا ذکر فرمایا ہے۔ بلاشبہ قرآن عظیم میں علم الارض، علم فلکیات، علم ریاضی، علم النفس، علم الانسان، علم طب، علم ہئیت، علم میراث، علم تعبیر، علم فصاحت و بلاغت، علم رجال، علم دعوت، علم تصوف، علم تاریخ اقوام، علم معدنیات، علم تجارت و معیشت، علم الرویاء، علم تفسیر القرآن، علم الٰہیات، علم طبعیات اور علم رموز قرآن کے بے شمار مسائل موجود ہیں۔ قرآن عظیم کی کل چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) آیات مبارکہ ہیں اور ان میں سے تقریباً چھ سو (۶۰۰) آیات قرآنیہ سائنسی موضوعات و علوم سے متعلق ہیں۔ لہٰذا مسلم سائنس دانوں نے ہمیشہ ان موضوعات سے تحقیقی کام کیا ہے، چناں چہ مسلم سائنس دانوں میں کندی، رازی، فارابی، ابن سینا، امام رازی، ابن الہیثم، ابن رشید اور علامہ ابوریحان البیرونی کے اسمائے گرامی سر فہرست ہیں۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اسلام نے ہی سائنسی علوم کی بنیاد رکھی ہے جس کے ثمرات آج پوری دنیا میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ مغرب کے ترقی یافتہ علوم و فنون در اصل اسلام ہی کے رہین منت ہیں۔ جس کا برملا اعتراف دانشوران مغرب کو بھی ہے۔

مشہور برطانوی مصنف برفالٹ (ROBERT BRIFAULT (1876-1948) اپنی کتاب THE MAKING OF HUMANITY (1919) (تعمیر انسانیت) کے صفحہ نمبر ۱۰۹ پر لکھتا ہے کہ اگرچہ یورپ کی ترقی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس میں اسلامی تہذیب کے فیصلہ کن اثر کے نشانات موجود نہ ہوں۔ لیکن یہ اثر کہیں بھی اتنا واضح اور اہم نہیں جتنا کہ اس کی طاقت کے ظہور میں ہے جو دنیائے جدید کی مخصوص اور مستقل قوت اور اس کی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے یعنی "حقائق اشیاء کی تلاش اور سائنسی طرز فکر۔"

نامور انگریز مفکر "تھامس کارلائل" (THOMAS CARLYLE) (1795 - 1881) قرآن عظیم کے مطالعے کے بعد اپنے مافی الضمیر کو ان سنہرے حروف میں تاریخ کے اوراق پر ثبت کرتا ہے کہ "قرآن کے احکام اس قدر عقل و حکمت کے مطابق واقع ہوئے ہیں کہ اگر انسان انھیں چشم بصیرت سے دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرسکتا ہے۔ شریعت اسلام اعلیٰ درجے کے احکام عقلیہ کا مجموعہ ہے۔ میرے نزدیک قرآن کے تمام معانی میں سچائی کا جوہر حد درجہ نمایاں انداز میں موجود ہے۔ قرآن مسلمانوں کا مشترکہ قانون ہے۔ معاشرتی، ملکی، تجارتی فوجی، عدالتی تعزیری یہ تمام معاملات اس میں پائے جاتے ہیں۔ باوجود اس کے یہ ایک مذہبی کتاب ہے جس نے کائنات کی تمام صنعتوں کی تشریح و تعبیر کو دنیائے علم و فن کے سامنے پیش کیا ہے۔

یورپ کے عظیم فاتح نپولین بوناپارٹ (NEPOLEON BONAPARTE 1769-1893) نے کہا کہ ازمنۂ وسطیٰ میں اسلامی تاریخ، تہذیب اور تمدنی کی تاریخ ہے۔ ہم مسلمانوں کے ممنون ہیں کہ انھوں نے یورپ کی بیداری کے لیے یونانی فلسفہ اور سائنس کو مرنے سے بچالیا ہے۔ اور اس شاندار دور کا آغاز کیا، جس نے راجر بیکن (ROGER BACON 1214) کے فلسفے کی درستگی کی۔ قدیم دنیا پر مصائب نے اپنے گہرے سائے ڈال رکھے تھے۔ مسلمانوں کے عظیم پیغمبر حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے دنیا کے سامنے قرآن پیش کرکے عہد جدید کا سنگ بنیاد رکھا اسلامی تعلیم و تہذیب ہے جہاں نسلی اور مذہبی امتیازات کی گنجائش نہیں۔ "وہ آگے کہتا ہے کہ۔"

"حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو، حضرت عیسیٰ نے رومیوں کو اور حضرت محمد (علیہم السلام) نے پوری دنیائے قدیم کو اللہ کی ذات سے روشناس کرایا۔ آریہ اقوام اور کئی اور دوسرے مذہبی فرقوں نے ثلیث کے نظریے پر بحث کرکے ایشیا کے امن و سکون کو غارت کردیا تھا۔ حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اعلان فرمایا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے، اس کا باپ ہے نہ بیٹا، اور نظریۂ ضرورت بت پرستی کی ایک شکل ہے، حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے قرآن کے سرورق پر لکھا۔ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔" مجھے امید ہے وہ وقت دور نہیں، جب میں دنیا کے

ذہین اور تعلیم یافتہ افراد کو متحد کرنے کے قابل ہو جاؤں گا، کیوں کہ قرآن کے سچے اصول ہی انسانی گروہ کی خوش حالی کی طرف رہ نمائی کر سکتے ہیں۔"

افسوس کہ اس عظیم فاتح کو اپنی عزیز ترین خواہش کو پورا کرنے کا موقع نہ مل سکا، اور انگریزوں کی سازش اسے لے ڈوبی۔ نہیں تو آج جدید یورپ سے لے کر برِ صغیر تک کا علمی، فکری اور مذہبی نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

(PROF. HERBERT WELLS 1895-1946)

"پروفیسر ہربرٹ وائل" نے لکھا ہے کہ قرآن جو اخلاقی ہدایتوں اور دانائی کی باتوں سے بھرا پڑا ہے۔ وہ ایسے وقت دنیا کے سامنے پیش ہوا جب کہ ہر طرف جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں نیکیوں کا رواج ہو اور کوئی جماعت ایسی نہ تھی جو سیدھے راستے پر چلتی ہو۔ قرآن نے عالم انسانیت کی زبردست اصلاح کی اور وحشیوں کو انسان کامل بنا دیا۔ جن اشخاص نے اس کے مضامین پر غور کیا ہے، وہ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ وہ ایک مکمل قانون ہدایت ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی بھی شعبہ لے لیجیے، ناممکن ہے کہ اس شعبے میں اس کی تعلیمات رہنمائی نہ کرتی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اگر ان تعلیمات پر عمل کیا جائے تو ایک صاحب فہم و فراست آدمی بیک وقت دنیاوی اور روحانی ترقی حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن ایک مکمل کتاب ہدایت ہے۔ زندگی کے تمام تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ اس کا مقصد اوّلین نوعِ انسانی کو ہر اعتبار سے اوصاف جمیلہ کا حامل بنانا ہے۔ اور یہ آسمانی مذاہب کا آخری اور مکمل ایڈیشن ہے۔"

"ڈاکٹر راڈویل" (DR. RADWELL) لکھتا ہے کہ:

"قرآن نے اوّل تو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف صحرائی قبیلوں کو ایک قوم میں تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد اس نے اسلامی دنیا کی وہ عظیم الشان سیاسی و مذہبی جماعتیں قائم کیں، جو آج یورپ اور مشرق کے لیے ایک بڑی طاقت کا درجہ رکھتی ہے۔ قرآن کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس جدید علمی تحریک کا آغاز کرنے والا ہے، جس نے ازمنۂ وسطیٰ میں بہترین دل و دماغ رکھنے والے یہودی اور عیسائیوں پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ تحقیقات سے یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ یورپ میں علم کے دور جدید سے کئی صدیوں بیشتر یورپ کے علماء فلسفہ، ہندسہ، ہئیت، فلکیات اور دیگر علوم کے متعلق جو کچھ جانتے تھے، وہ تقریباً کلیتہً اصلی عربی کتابوں کے لاطینی ترجموں کے ذریعے انھیں حاصل ہوا، یہ قرآن ہی کا کارنامہ ہے کہ اس نے ابتداءً ان علوم کے حاصل کرنے کا ذوق و شوق عربوں اور ان کے دوستوں میں پیدا کیا۔" آگے مزید لکھتا ہے کہ "یہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا جو تخیل بلحاظ صفات قدرت، علم، ربوبیت عامّہ اور وحدانیت کے قرآن میں موجود ہے، اس جیسا کہیں بھی نہیں پایا جاتا۔ اس بنا پر قرآن بہترین تعریف و توصیف کا مستحق ہے۔ قرآن نے یہ ثابت کر دیا کہ اس کتاب کی تعلیم میں ایسے عناصر موجود ہیں، جن کے ذریعے سے زبردست اقوام اور فتوحات کرنے والی سلطنتیں بن سکتی ہیں۔ اس کی تعلیم میں وہ تمام اصول موجود ہیں، جو علمی قوتوں کا سرچشمہ ہیں۔ یہ قرآن ہر طرح کی تحریف سے پاک ہے۔"

(COUNT TOLSTOY, RUSSIAN WRITER 1828-1910) "نامور روسی مفکر کاؤنٹ ٹالسٹائی" لکھتا ہے کہ:

"یہ کتاب (قرآن) عالم انسانی کے لیے ایک بہترین رہبر ہے۔ اس میں تہذیب، شائستگی، معاشرت، اخلاق اور تمدن کی اعلیٰ تعلیمات موجود ہیں۔ اگر صرف یہ کتاب دنیا کے سامنے ہوتی اور کوئی ریفارمر (REFORMER) پیدا نہ ہوتا، تو یہ عالم انسانی کی رہنمائی کے لیے کافی تھی۔ وہ آداب و اصول، جو فلسفہ و حکمت پر قائم ہیں، جن کی بنیاد عدل و انصاف پر ہے۔ جو دنیا کو بھلائی اور اسلام کی تعلیم دیتے ہیں، ان میں سے ایک جزء بھی ایسا نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ وہ اعتدال و میانہ روی کا راستہ دکھاتا ہے، گمراہی سے بچاتا ہے، اخلاقی کمزوریوں سے نکال کر فضائل کی روشنی میں لاتا ہے۔ اور انسانی زندگی کے نقائص کو کمال سے بدل دیتا ہے۔

ایک فرانسیسی مورخ لکھتا ہے کہ:

اسلام حقیقت میں ایک طرح کا اجتماعی مذہب ہے جس کو دنیا نے حق تسلیم کیا ہے۔ قرآن میں وہ تمام فوائد موجود ہیں جس سے زمانۂ حال کا تمدن بنا ہے۔ اسلام ہی دنیا کی عمرانی ترقی کے لیے ہر قسم کے ذرائع یورپ کو بہم پہنچائے ہیں۔ اگر بالفرض روئے زمین سے اسلام مٹ گیا، مسلمان نیست و نابود ہو گئے اور قرآن کی حکومت جاتی رہی تو دنیا کا امن و امان کبھی قائم نہیں رہ سکے گا۔ روئے زمین سے اگر قرآن کی حکومت جاتی رہی تو دنیا کا امن و امان کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔ قرآن صرف مذہبی قواعد و احکام کا مجموعہ ہی نہیں، بلکہ اس میں اجتماعی اور سوشل احکام بھی ہیں جو انسانی زندگی کے تمام شعبہ جات کے لیے مفید اور کارآمد ہے۔"

"ڈاکٹر وکٹر" (DR. VICTOR) لکھتا ہے کہ:

اس کتاب (قرآن) کی مدد سے عربوں نے سکندر اعظم کی اور رومیوں کی سلطنتوں سے بھی بڑی بڑی سلطنتیں فتح کرلیں۔ فتوحات[26] کا جو کام رومیوں سے سینکڑوں برس میں ہوا تھا۔ عربوں نے اسے دسواں حصہ وقت میں پہنچا دیا۔ اسی قرآن کی مدد سے اقوام عالم میں یہ اعزاز صرف عرب مسلمانوں کو وہ شاہانہ حیثیت سے وہاں داخل ہوئے جہاں اہل فرانس بطور تاجر اور یہودی پناہ گزینوں اور اسیروں کی حالت میں پہنچتے تھے۔ ان عربوں نے بنی نوع انسانی کو روشنی دکھائی جب کہ چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ان عربوں نے یونان کی عقل و دانش کو زندہ کیا، اور مشرق و مغرب کو فلسفہ، طب اور علم ہئیت کی تعلیم دی اور موجودہ سائنسی علوم کی ترویج و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا۔"

"جرمن فاضل گوئٹے" نے برملا اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ "اس کتاب کی اعانت سے عربوں نے سکندر اعظم کی فتوحات اور "رومۃ الکبریٰ" کی سلطنت سے وسیع تر سلطنت فتح کرلی۔ قرآن کا قانون بلا شبہ بائیبل کے قانون سے زیادہ مؤثر ہے۔"

WHAT HAPPEND IN HISTORY کا مصنف "V. GORDON CHILDE" (1892-1957) لکھتا ہے کہ:

"میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ یورپ کے معاہدے، یورپ کی دفاعی تدابیر، یورپ کا سیاسی اتحاد اور بین الاقوامی پارلیمنٹ یا حکومت کی تجویز اور دوسری تمام تدابیر ناکام و بے سود رہیں گی، اگر اس کی بنیادوں میں خدا کے تصور اور اخلاقی قدروں کو جگہ نہ دی گئی۔ جہاں عالمی امن کے لیے بہت سارے نسخے آزمائے گئے ہیں، وہیں مذہب کا یہ نسخہ بھی آزما کر دیکھ لینا چاہیے۔ اگر اس کے لیے کوئی تیار ہو تو میں مشورہ دوں گا کہ وہ اس سلسلے میں قرآن کو ہرگز نظر انداز نہ کرے کیوں کہ اس راہ کی رہنمائی میں اس کتاب (قرآن) سے بہتر کوئی اور کتاب انجام نہیں دے سکتی۔"

اعجاز قرآنی کا یہی وہ پہلو تھا جسے دیکھ کر انگلستان کا مشہور مورخ "گبن" (EDWARD GIBBON 1737-1794) بے اختیار پکار اٹھا۔

"قرآن کی نسبت بحر اطلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے کہ یہ پارلیمنٹ کی روح ہے اور صرف اصول مذہب کے لیے نہیں بلکہ احکام تعزیرات کے لیے اور قوانین کے لیے بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) کی شریعت سب پر حاوی ہے۔ یہ شریعت ایسے دانش مندانہ اصول اور اس قسم کے قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہاں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔"

(ENGLISH HISTORIAN, WRITER AND MEMBER OF BRITHIS PARLIAMENT LONDON. (1774-1784)

"قرآن عظیم" ہماری شخصی اور اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے۔ دنیا کے بے شمار کتابیں ہمارے مطالعے میں رہتی ہیں۔ بین الاقوامی درس گاہوں سے ہم مختلف عنوانات پر ڈگریاں بھی حاصل کرتے ہیں۔ لیکن ایک انتہائی اہم کتاب "قرآن عظیم" کی طرف ہماری توجہ نہیں ہو پاتی۔ یہ بات اکثر تجربے میں آئی ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ تعلیم یافتہ ہوگا اس میں اس بات کے زیادہ امکانات موجود ہیں کہ وہ قرآن عظیم کو احسن اور بہتر انداز میں سمجھ سکے۔ قرآن عظیم کی عظمت کا احساس ہر بندۂ مومن کے لیے دینی اور علمی فریضہ ہے۔ دنیا میں جتنے بھی علمی وفکری انقلابات آئے ہیں سب اسی کی بازگشت ہیں۔ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد یہ یقین ہو جاتا ہے کہ کائنات کا سائنسی علم ایک مومن کی میراث ہے۔ جسے وہ بدقسمتی سے کئی صدیوں قبل گم کر چکا ہے۔ قرآن عظیم ۷۵۰ دفعہ سے زائد مرتبہ مسلمانوں کی توجہ سائنسی حقائق اور مشاہدات کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔ ہم اپنی اس متاع گم گشتہ کو دوبارہ کیسے حاصل کر سکتے ہیں، اس کی کوشش کرنی چاہیے۔

اس ضمن میں ماضی قریب کے مسلم مفکرین میں شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی کوشش احیائے علوم قرآن کے حوالے سے بہت نمایاں رہی ہیں۔ مغربی یورپ کی جدید درس گاہوں کے ارباب علم و دانش کو قرآن عظیم کے سائنسی حقائق کی جانب متوجہ کروانے میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ "علامہ اقبال" موقف یہ تھا کہ۔

"موجودہ دور میں اسلام کے علم الکلام کی بنیاد بھی جدید تجرباتی علوم کی دریافتوں پر استوار ہونی چاہیے اس لیے کہ ان کے نتائج قرآنی افشائے حقیقت سے ہم آہنگ ہیں۔ چناں چہ دین کا سائنٹیفک علم موجودہ کے مسلمانوں کے اعتقاد کو پختہ بنا دے گا۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ "کلاسیکل فزکس (CLASSICAL PHYSICS) نے خود اپنے اساسی مفروضوں پر تنقید کرنا سیکھ لیا ہے۔ اس کے نتیجے میں مادیت کی وہ قسم جس پر شروع میں اس کی بنیاد کو استوار کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا، تیزی سے غائب ہوتی جا رہی ہے۔ اور وہ دن دور نہیں جب مذہب اور سائنس اپنی اس باہمی مطابقت کو دریافت کرلیں گے جس کا اب تک تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

(RECONSTRUCTION LECTURS)

بلا شبہ مذہب سائنسی معیار سے کہیں زیادہ بلند ہے اس کا باہم کوئی

تقابل نہیں، عصر حاضر کے مفکرین نے اس بات کا برملا اعتراف کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئن سٹائن (ALBERT EINSTEIN 1879-1955) اور دوسرے سائنس دانوں کی تحریروں میں جابجا قرآنی الفاظ یا قرآن فہمی سے حاصل شدہ تعبیریں ملتی ہیں۔ یہ اپنی فکری تصادم کے دقت طراز مرحلوں سے گذرتے ہوئے بار ہا صنّاعی قدرت کا مشاہدہ کیا ہے۔ ریاضیت کی منزل تک پہنچنے میں اسلام کا فکری اور شعوری انقلاب ہر لمحہ ان کے شریک رہا۔

وہ خود لکھتے ہیں کہ: ”دنیا میں نئے دور کی آمد آمد ہے اس میں ایسے مذہب کی حکمرانی ہوگی جو سائنس سے بہتر و برتر ہو گا، اور سائنس جس کی برتری کو تسلیم کرے گی وہ مذہب اسلام اور قرآن ہو گا۔“

قرآن عظیم ان تمام موضوعات کا حد درجہ جامعیت کے ساتھ احاطہ کیے ہوئے ہے، جنھیں آفاق و انفس کی تعبیر میں آیات الٰہیہ اور اس کی حکمتوں سے یاد کیا جاتا ہے۔ جب انسان کلام الٰہی کی تلاوت کرتا ہے تو غیر ارادی طور پر اس کی توجہ ان آیات میں بیان کردہ حکمتوں کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ ایسے عالم میں وہ اپنے ضمیر کی آواز پر مجبور ہے کہ وہ ان حکمتوں پر غور کرے اور واقعات کا قرآن کی روشنی میں جائزہ لے۔ ایسا کرنے سے انسان پر یہ حیرت انگیز انکشاف ہو گا کہ قرآن انسانی زندگی پر بھی ویسے ہی حاوی ہے جس طرح وہ کائنات کی دوسری چیزوں پر ہے۔ اس کی حکمت ذرّے ذرّے سے عیاں ہے۔ دین اسلام کی خوبی ہے کہ یہ سائنسی بصیرت کو انسان کے روحانی فضائل میں سے ہر ایک کے لیے جزو لاینجزی کی حیثیت دیتا ہے۔ اور یہ اس کی دائمی ثبات کی بہت بڑی دلیل ہے۔

وہ علم کم بصری جس میں ہم کنار نہیں
تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ حکیم!

دنیا کے دیگر تمام مذاہب کی کتابیں بھی مشہور ہیں۔ تاہم قرآن عظیم کے علاوہ باقی کتابوں کے متعلق دنیائے دانش بلکہ خود ان کے ماننے والوں کا بھی یہ اعتراف ہے کہ وہ اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں ہے۔ خاص کر بائیبل سے متعلق مشہور رسالہ ”LIFE“ کا بیان ہے کہ وہ انسان کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ اس کے اکثر الفاظ ان لوگوں کی تصنیف ہیں جن کا نام بھی ہمیں معلوم نہیں۔ اور عیسائیت کے پھیلنے کے بعد تو غلطیاں بڑھتی رہیں۔ حتیٰ کہ عہد نامۂ جدید میں عہد نامہ قدیم سے بھی زیادہ تبدیلیاں ہوئیں۔“

(رسالہ لائف، بعنوان بائیبل، ۱۹/ اپریل ۱۹۶۵ء)

قرآن عظیم حضور نبی اکرم ﷺ کا ناقابل تسخیر معجزہ ہے جس کے اثرات و اعجازات قیامت کی صبح تک ظاہر ہوتے رہیں گے اور قرآن کی صداقت و حقانیت کے لیے حجّت بنتے رہیں گے۔ اللہ جلّ شانہٗ نے انسان کو ”قلم“ کے ذریعے سے علم سکھایا، اور وہی ہر آن انسانی علم و ادراک میں اضافہ کرتا جا رہا ہے۔ قرآن نے جو حقیقتیں صدیوں پہلے بیان کی تھیں۔ آج عقلیات کے جادۂ ہائے تحقیق و اکتشاف پر چلنے والے دنیائے شرق و غرب کے اربابِ علم و دانش بھی انھیں کا اعتراف کر رہے ہیں۔ عصر جدید کی سائنسی دریافتیں قرآن عظیم کی مرہون منّت ہیں۔ طبعیات، کیمائیات، حیاتیات، فلکیات، معاشیات اور نامیات یہ ایسے ٹھوس اور دقت طراز علوم و فنون ہیں جس کی بنیادیں قرآن عظیم نے فراہم کی ہیں۔ ظنّ و تخمین اور ملحدانہ فلسفے کے مدمقابل سائنسی نقطۂ نظر سے قرآن عظیم نے لافانی حقائق سے آگاہی عطا فرمائی ہے۔ اس طرح جن قرآنی حقائق کی تصدیق ہو رہی ہے وہ آج دریافت کنندگان کے لیے حجّت بن رہے ہیں۔ اس حوالے سے چند ارشادات پیش خدمت ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَوَ لَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ .

(الانبیاء ۲۱۔۳۰)

ترجمہ: ”کیا ان کافروں کے علم میں یہ بات نہیں آئی کہ پہلے آسمان اور زمین جڑے ہوئے ایک ہی شے تھے۔ پھر ہم نے ان کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ اور یہ کہ ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے پیدا کیا۔ پھر یہ کیوں نہیں ایمان لاتے۔“

عہد حاضر کے الحاد پسندانہ فلاسفرس اور اسلام کے مفکرین نے بھی اس آیت قرآنی کی عظمت و صداقت دیکھ لی ہے۔ وہ اس آیت کریمہ میں ذکر کردہ حقائق کو دنیا کے سامنے لا کر رہے ہیں۔ اور اس طرح قول الٰہی اور معجزۂ مصطفوی کی تصدیق ہو پھر دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔

ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىٕعِیْنَ ﴿۱۱﴾ . (۴۱۔۱۱)

ترجمہ: ”پھر آسمان کے بنانے کی طرف توجہ فرمائی، وہ اس وقت دھواں سا تھا۔ سو اس سے اور زمین سے کہا کہ تم دونوں خوشی خوشی سے (وجود میں) آو یا چار و نار۔ دونوں نے کہا کہ ہم خوشی سے حاضر

ہیں۔“

تخلیق کائنات کے جدید سائنسی نظریات:

اب دیکھیے کہ موجودہ دور کے سائنس داں خود ان باتوں کو بیان کررہے ہیں۔ مثلاً مشہور ایٹمی سائنس داں ”جارج گیمو“ (GEORGE GAMO PHYSICIST 1904-1968 U.S.A.) لکھتا ہے:

کائناتی مکان (فضا) کثیر توانائی والی گاما شعاعوں (HIGH ENERGY GAMA RADIATION) سے پُر تھا۔ لیکن میں موجودہ مادّہ کا وزن مخصوص زمین سے بالا تر فضا کی ہوا کے برابر تھا۔ ہماری کائنات کی تخلیقی تاریخ کے پہلے گھنٹے کے بعد کائنات میں ۳۰ر ملین سال تک کوئی واقعہ خاص نہیں ہوا۔ غالباً اسی زمانے کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ تمام آسمان دھوئیں یا گیس کی شکل میں تھا۔ مزید یہ لکھتا ہے کہ بنیادی چیز جس سے کہ کائنات بنی ہے وہ در اصل ”ہائیڈروجن“ (HYDROGEN) ہے۔ یہ گیس جو کہ نئے تخلیق شدہ ایٹموں سے مرکّب تھی پھیلتی رہی۔“ اسی کے متعلق قرآن ارشاد فرماتا ہے کہ والسَّماءَ بینھٰا بأیدٍ وّ انّا موسِعُون۔ (یعنی آسمان کو ہم نے اپنے دست قدرت سے بنایا، اور ہم اس کو وسیع کرنے اور پھیلانے والے ہیں) اکثر سائنس داں اس بات کے قائل ہیں کہ کائنات کا یہ پھیلاؤ اس وقت بھی جاری ہے۔ یعنی ہر آن یہ کائنات پھیلتی اور وسیع ہوتی جا رہی ہے۔ ساتھ ہی نئے ایٹموں سے مرکّب گیس کا درجۂ حرارت تدریجاً گرم سے کم تر ہوتا رہا۔ جب مادّہ تخلیق ہو چکا تو ”نیوٹن“ وال کشش ثقل بروئے کار آنے لگی اور اس نے یکساں حالت کی گیس کو عظیم بادلوں میں تبدیل کر دیا۔ جسے فلکیات کی اصطلاح میں IGANTIC CLOUD میں تبدیل ہونا کہتے ہیں۔ اور ابتدائی کہکشائیں PROTO GLAXIES بن گئیں۔ کائنات اس وقت بھی گرم تھی، اگرچہ مکمل اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔“

نوٹ: (قرآن عظیم نے جو کہا ہے کہ ”وَّکَانَ عَرۡشُہٗ عَلَی الۡمَآءِ“ یعنی اس کا عرش پانی پر تھا اس میں غالباً اسی موقع کی طرف اشارہ ہے۔ عرش کا پانی کے اوپر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت بھی اس کی اسی سرمایہ وجود پر مشتمل تھی اور اس پر اس کا اقتدار قائم تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت پانی کی تشکیل کے دور سے متعلق ہو۔ واللہ اعلم بالصواب)۔

کس طرح کواکب سماواتی اور زمین معرض وجود میں آئے ہیں۔ اس کی تمام تفصیلات قرآن عظیم میں درج ہیں۔ اور دنیا کے تمام سائنس داں ان قرآنی انکشافات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ مشہور ماہر فلکیات ”فریڈ ہولے“ (FRED U.K. 1915-2001 HOYLE) تخلیق کائنات کے ذکر کو ایک فقرے میں یوں سموتا ہے۔

THE SUM UP STAGES FIRST A WHIRLING DISC OF GAS, THEN EDDIES, CLOUDS, CONDENSATION, FINALLY STARS. (THE NATURE OF THE UNIVERSE. PAGE 77)

ترجمہ: مختصر یہ کہ پہلے ایک گیس کا گھومتا ہوا مرغولہ، پھر اس میں لہریں اور بھنور، پھر بادل، پھر تکاثف اور انجماد، پھر ستارے، سورج، سیّارے۔

قرآنی زبان میں اس کو یوں کہا جائے گا۔ پہلے دخان، پھر ماء، پھر سموات وارض بن گئے۔ جیسے کہ آیات قرآنی میں مذکور ہے۔

ھُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ وَّ کَانَ عَرۡشُہٗ عَلَی الۡمَآءِ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ۔ (۱۱۔۷)

فی ستۃ ایام کا مفہوم:

جارج گیمو (GEORGE GAMOW 1904-1968 U.S.A.) مشہور ایٹمی سائنس داں اپنی کتاب میں ریاضی اور طبعیات کی طویل بحث کے بعد کہتا ہے کہ کائنات کی تخلیق ہمارے زمانے سے چھ (۶) بلین سال پہلے ہوئی تھی (THE CREATION OF UNIVERSE P. 16-17) اب آپ غور فرمائیں کہ قرآن میں ایام کے تذکرے میں مندرجہ ذیل آیات کریمہ ملتی ہیں۔

(۱) وَ اِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ۞ (۲۲-۴۷)

(یعنی آپ کے رب کے ہاں کا ایک دن تم لوگوں کے شمار کے موافق ہزار سال کا ہوتا ہے۔)

(۲) تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ ۞ (۷۰-۴)

مندرجہ بالا آیات قرآنیہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں یوم کی وہ مقدار نہیں جو ہمارے ہاں قرینہ عقل قرآن عظیم میں ہزار سال اور پچاس ہزار سال کے ایام کا تذکرہ موجود ہے۔ گویا تکوینی امور اور نظام شمسیت کے ایام مختلف وسعت زمانی رکھتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم ان کو لفظ ”دور“ سے بھی تعبیر کر سکتے

ہیں۔ کرۂ ارضی پر سورج کے طلوع و غروب سے جو دن رات نمودار ہوتے ہیں، ان کا تعلق ہماری زندگی اور ہمارے پیمانۂ وقت سے ہے۔ ساری کائنات ہماری ارضی دن رات کی پابند ہیں، اور نہ ہمارے سورج کی گردش کے زیرِ اثر ہے۔ یہاں صاف طور پر ایام کے مراد ایک طویل وقفے ہیں جو ہزاروں لاکھوں سالوں کی وسعت رکھتے ہیں۔ یوم کا انگریزی ترجمہ PERIOD ہوگا۔ اس طرح سے اس بات کا قوی امکان ہے کہ چھ (۶) یوم سے مطلب چھ (۶) بلین سال ہوگا جو "جارج گیمو" (GEORGE GAMOW) کا اندازہ اور حساب ہے۔

پھر "جارج گیمو" لکھتا ہے کہ ہم اس کائنات کے کسی بھی حصے کی عمر کا تخمینہ لگائیں تو ہم کو ہمیشہ اور ہر طریقے سے ایک جواب حاصل ہوتا ہے یعنی چند بلین سال۔ گویا عصر حاضر کے سائنس نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ یہ کائنات ازل نہیں بلکہ اس کی باضابطہ اور منظم تخلیق ہوئی ہے۔ اور اس کی عمر کا بڑی حد تک اندازہ بھی ہو گیا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ تخلیق کائنات اور اس کی عمر کے معاملے میں قرآن کے بیان سے موجودہ سائنس نے خاصی مطابقت پیدا کر لی ہے۔

سائنسی انکشافات کی سرمستی کے ابتدائی دور میں انسان کے ذہن نے ایسے فلسفے تشکیل دیے جن کا رُخ صراحتًا الحاد اور لادینیت کی طرف تھا۔ خلّاق کائنات کی نفی کرتے ہوئے دائمی کائنات یا ازلی مادّے کا تصور کیا گیا تھا۔ مگر آج کے سائنس داں کے لیے تخلیق کائنات کو تسلیم کرنا ان کی اپنی تحقیق کا لازمہ ہے۔ بیسویں صدی کے ابتدائی عشرے تک مغربی دنیا کے تمام سائنس داں اس بات پر متفق تھے کہ نہ مادّہ کی تخلیق کی جاسکتی ہے اور نہ مادّے کو تباہ کیا جاسکتا ہے (THE NATURE OF THE UNIVERS) سائنس کا یہ بنیادی قانون اسکولوں اور کالجوں میں باضابطہ طلباء کو حد درجہ تاکید کے ساتھ پڑھایا جاتا تھا۔ اور عجب یہ کہ اس قانون سے متعلق "سائنس دان" یہ یقین کامل رکھتے تھے کہ یہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ لیکن آج کے سائنس دان اور مغربی محققین اس بات کا واضح لفظوں میں اعتراف کر رہے کہ مادّے کی تخلیق نہ صرف ممکن ہے بلکہ ہر آن ہو رہی ہے۔ اور ہر وقت جاری ہے۔

BRITISH WRITER, EDMOND HOYLE 1672-1769 LONDON.

برطانوی مفکر پروفیسر "ہولے" لکھتا ہے کہ:

THE IDEA THAT MATTER IS CREATED CONTINUOUSLY REPRESENTS OUR ULTIMATE GOAL...........CONTINUOUS CREATION IS THE MOST SATISFACTORY.

یعنی "ہمارا آخری منتہیٰ یہ نظریہ ہے کہ ہر آن مادّہ کی تخلیق ہوتی رہتی ہے۔ اور یہی نظریہ دراصل پوری طرح اطمینان بخش ہے۔"

یہاں میں عرض کرتا چلوں کہ اک زمانہ تھا کہ بعض مسلم فلاسفہ بوعلی سینا وغیرہ بھی یونانی فلسفے سے متأثر ہو کر اس بات کے قائل ہو گئے تھے کہ مادّہ ازلی ہے۔ لیکن امام غزالی نے بہ دلائل ان کے ملحدانہ فلسفے کے تار و پود بکھیر دیے۔ آج سائنس دانوں کا نقطۂ نظر عملی اور تجرباتی انکشافات کے بعد قرآنی حقائق سے باضابطہ مطابقت پیدا کر رہا ہے، اور وہ خود آگے بڑھ کر یہاں مغرب کی درس گاہوں میں تخلیق کائنات اور تخلیق مادّہ کے موضوع پر کتابیں لکھ رہے ہیں۔ اور یہ بلا شبہ قرآن کا اعجاز اور علوم نبوی کا فیضان ہے۔ مادّہ کی اس تخلیق مسلسل کے لیے ہر آن کائنات وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی ہے۔ اور ہر آن تخلیق مادّہ اور اس سے جو نئی کہکشائیں پیدا ہو رہی ہیں۔ ساتھ ہی کئی طرح کے دیگر انقلابات نظام کائنات میں واقع ہو رہے ہیں۔ آفاق و انفس کی وسعتوں میں جس قدر تحقیقات ہوتی رہیں گی، عقلیات کی دنیا قرآن اور صاحب قرآن کی لازوال عظمتوں سے قریب تر ہوتی چلی جائے گی۔ دین اسلام کا غلبہ اللہ جلّ شانہٗ کے ذمّۂ کرم میں ہے اور واقع ہو کر رہے گا۔ (ان شاء اللہ)

یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دما دم صدائے کُن فیکون

(اقبالؔ)

اگر ہم اپنی خدا داد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر تحقیق و ریسرچ (RESEARCH) کے میدانوں میں نکلیں تو ہمارے لیے صرف یہ دنیا ہی نہیں، بلکہ اور بہت سارے جہان منتظر ہیں کہ ہم آگے آئیں اور قدرت کے پوشیدہ رازوں سے پردے اٹھائیں زیر نظر مضمون کا عنوان "قرآن اور سائنس" نہیں تھا۔ یہ چند سطور قرآن کے فنّی محاسن لکھتے وقت ضمناً آ گئے ہیں یہ ایک مستقل موضوع ہے جو تفصیل طلب ہے۔

طلبۂ مدارس سے چند باتیں

مولانا محمد سبحان رضا قادری: رکن آئینۂ ہند اکیڈمی اتر دیناج پور بنگال

منزل کی تمنا ہے تو کر جہد مسلسل
خیرات میں چاند ،ستارے نہیں ملتے
شوق پرواز کا رکھتے ہو تو شاہین بنو
یوں تو کوے بھی فضاؤں میں اڑا کرتے ہیں
وہ کون سا عُقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا
ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

حصول علم کی فضیلت

دین ودنیا کی کامیابی اور کائنات کے رازہاے سربستہ کی عقدہ کشائی کے لیے تحصیل علم ایک ناگزیر امر ہے، علم ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو فرش سے عرش اور خاک سے افلاک تک پہونچا دیتا ہے، علم کے بغیر انسان ایسا ہی ہے جیسا کہ جسم بغیر روح کے۔ جس نے علم کو اپنایا اس نے تحقیق کے دریا بہائے اور دنیا کو بیش بہا خزانے ، نت نئے انکشافات اور نفع بخش ایجادات عطا کیے اور جس نے اس سے روگردانی کی وہ خسارے میں رہا اور زندگی بھر تاریکیوں میں بھٹکتا رہا۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو حصول علم کی جتنی شد ومد سے تاکید کی اتنی پر زور تاکید کسی اور چیز کی نہیں کی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سورہ علق کی جو ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئیں وہ پڑھنے پڑھانے سے ہی متعلق تھیں۔ ارشاد خداوندی ہے: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴿۱﴾ پڑھو اپنے رب کے نام سے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾ پڑھو اور تمھارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ جس نے قلم سے لکھنا سکھایا عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ﴿۵﴾ آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا{سورہ علق آیت:۱۔۵}

اسی اہمیت کے پیش نظر پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم کو ہر ایک کے لیے فرض قرار دیا چناں چہ فرمان رسالت ہے: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ، ترجمہ: علم دین حاصل کرنا ہر مسلمان {مرد وعورت} پر فرض عین ہے،{ابن ماجہ، رقم:224}

ایک موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم کے راستے پر چلنے والے کو جنت کا راہی اور انبیا کا وارث قرار دیا ہے: ارشاد ہے:

مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ، وَإِنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ يَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ حَتَّى الْحِيتَانِ فِي الْمَاءِ، وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، إِنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔

ترجمہ: حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو شخص علم دین کی تلاش میں کوئی راستہ چلے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے، اور فرشتے طالب علم سے خوش ہو کر اس کے لیے اپنے بازو بچھا دیتے ہیں، آسمان و زمین کی ساری مخلوق یہاں تک کہ مچھلیاں بھی پانی میں طالب علم کے لیے مغفرت کی دعا کرتی ہیں، اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسے چاند کی فضیلت سارے ستاروں پر، بے شک علما ہی انبیا کے وارث ہیں، اور انبیا نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا بلکہ

انہوں نے علم کا وارث بنایا ہے، لہٰذا جس نے اس علم کو حاصل کیا، اس نے (علم نبوی اور وراثت نبوی سے) پورا پورا حصہ لیا۔ {سنن ابن ماجہ، رقم:۲۲۳}

فضیلت علم کے حوالے سے یہ حدیث بھی چشم کشا اور بصیرت افروز ہے، فرمان نبوی ہے:

إِنَّمَا الدُّنْيَا لِأَرْبَعَةِ نَفَرٍ: عَبْدٍ رَزَقَهُ اللَّهُ مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَيَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ وَيَعْلَمُ لِلَّهِ فِيهِ حَقًّا فَهَذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللَّهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ، يَقُولُ: لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهِ فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ، وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللَّهُ مَالًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا فَهُوَ يَخْبِطُ فِي مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَلَا يَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ وَلَا يَعْلَمُ لِلَّهِ فِيهِ حَقًّا فَهَذَا بِأَخْبَثِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللَّهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا، فَهُوَ يَقُولُ: لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهِ فَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ

ترجمہ: حضرت ابوکبشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ: یہ دنیا چار قسم کے لوگوں کے لیے ہے: ایک بندہ وہ ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال اور علم کی دولت دی، وہ اپنے رب سے اس مال کے کمانے اور خرچ کرنے میں ڈرتا ہے اور اس مال کے ذریعے صلہ رحمی کرتا ہے اور اس میں سے اللہ کے حقوق کی ادائیگی کا بھی خیال رکھتا ہے ایسے بندے کا درجہ سب درجوں سے بہتر ہے۔ اور ایک وہ بندہ ہے جسے اللہ نے علم دیا، لیکن مال و دولت سے اسے محروم رکھا پھر بھی اس کی نیت سچی ہے اور وہ کہتا ہے کہ کاش میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں اس شخص کی طرح عمل کرتا لہٰذا اسے اس کی سچی نیت کی وجہ سے پہلے شخص کی طرح اجر برابر ملے گا، اور ایک وہ بندہ ہے جسے اللہ نے مال و دولت سے نوازا لیکن اسے علم سے محروم رکھا وہ اپنے مال میں غلط روش اختیار کرتا ہے، اس مال کے کمانے اور خرچ کرنے میں اپنے رب سے نہیں ڈرتا ہے، نہ ہی صلہ رحمی کرتا ہے اور نہ ہی اس مال میں اللہ کے حق کا خیال رکھتا ہے تو ایسے شخص کا درجہ سب درجوں سے بدتر ہے، اور ایک وہ بندہ ہے جسے اللہ نے مال و دولت اور علم دونوں سے محروم رکھا، وہ کہتا ہے کاش میرے پاس مال ہوتا تو فلاں کی طرح میں بھی عمل کرتا (یعنی: برے کاموں میں مال خرچ کرتا) تو اس کی نیت کا وبال اسے ملے گا اور دونوں کا عذاب اور بار گناہ برابر ہوگا۔ {ترمذی، ۲۳۲۵}

مذکورہ حدیث میں معلم کائنات حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انسان کی چار قسمیں فرمائی ہیں جو درج ذیل ہیں:

{۱} عالم غنی {۲} عالم فقیر {۳} جاہل غنی {۴} جاہل فقیر، ان میں عالم غنی اور عالم فقیر کے درجے کو اپنے حسن نیت کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے اور جاہل غنی اور جاہل فقیر کو اپنی بدنیتی کی وجہ سے گنہ گار اور محروم قرار دیا ہے۔ لہٰذا طلبہ کو چاہیے کہ طلب علم سے پیشتر اس حدیث کو نگاہوں کے سامنے رکھیں اور اپنی نیتوں کا قبلہ درست کرلیں ورنہ علم اور دولت بجائے نجات کے ہلاکت وبربادی کے دہانے تک پہنچا سکتی ہیں۔

علم کی فضیلت بیان کرنے کے بعد ذیل میں طلبہ کے لیے چند رہنما اصول سپرد قرطاس کیے جارہے ہیں تاکہ طلبہ ان اصول کی مدد سے کامیابی کی راہ کا تعین کرسکیں:

نصب العین کا تعین:

کسی بھی چیز میں کامیابی کے لیے سب سے پہلا اور اہم اصول یہ ہے کہ مقصد متعیّن ہو اور اس کے بارے میں بھرپور جان کاری ہو اس لیے کہ اگر مقصد اور نصب العین متعیّن نہ ہو تو پھر عمر کو صرف کرنا اور وقت کو ضائع کرنا ہوگا اور ایسی زندگی حیوان کی طرح ہے۔ پھر مقصد اگر ذاتی مفاد ہو اور ذاتی شہرت ہو تو یہ مقصد قابل تعریف نہیں، مقصد دوسروں کے لیے جینا اور دوسروں کی خدمت کرنا ہو، مقصد ہمیشہ اونچا اور بلند ہونا چاہیے، مقصد جتنا بلند ہوگا شخصیت بھی اتنی ہی بلند ہوگی اور مقصد جتنا چھوٹا ہوگا شخصیت بھی اتنی چھوٹی ہوگی۔۔۔۔

س لیے سب سے پہلے اچھی طرح غور فکر کرکے یہ طے کرلیا جائے کہ کرنا کیا ہے، جب مقصد متعیّن اور واضح ہوجائے پھر قدم آگے بڑھایا جائے تو کامیابی کے دوسرے مرحلے آسان تر

ہوتے چلے جائیں گے۔

حد درجہ محنت:

کسی بھی چیز میں کامیابی کے لیے مسلسل محنت اور سچی لگن ضروری ہے، مسلسل محنت کے بغیر کامیابی کی امید رکھنا ہوائی قلعے تعمیر کرنے اور خیالی پلاؤ پکانے کے مترادف ہے، اس مقصد کے حصول میں اس کا دل مضطرب اور بے چین ہو، یہ اضطراب و بے چینی اس قدر شدید ہو کہ دن کی روشنی ہو یا رات کی تاریکی ہر وقت اس کا مقصد اس کے پیش نظر رہے اور اپنی ساری تگ و دو اس کو حاصل میں صرف کردے، انسان اپنے مقصد کے حصول میں اتنا ڈوب جائے کہ مقصد حاصل ہونے سے پہلے اسے چین وقرار نہ آئے۔ ڈاکٹر اقبال کہتا ہے:

یہی آئین قدرت ہے، یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گامزن، محبوب فطرت ہے

یہ دنیا عالم اسباب ہے محنت کامیابی کا سبب ہے، سبب ہوگا تو مسبب ہوگا سبب کے بغیر مسبب وجود نہیں پاتا۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ محنت صرف طالب علم کے لیے ہی ضروری نہیں ہے بلکہ استاذ اور والدین کے لیے بھی محنت ضروری ہے۔ ایک طالب علم مکمل کامیابی اسی وقت حاصل کرسکتا ہے جب کہ اس کے ساتھ ساتھ استاذ اور والدین بھی محنت کریں۔ ان میں سے کسی ایک فرد کی غفلت یا لاپرواہی کامیابی کے خواب کو چکنا چور کرسکتی ہے۔

صبر:

مسلسل محنت کے ساتھ صبر بھی انتہائی ضروری ہے، قدرت نے ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر کردیا ہے جب وہ وقت مقرر آپہنچے گا تو مطلوبہ چیز خود بخود حاصل ہوجائے گی، بے صبری اور جلد بازی کسی بھی مسئلے کا حل نہیں۔ کسی نے کہا تھا: چھلنی میں بھی پانی رک سکتا ہے بس آپ کو پانی کے برف ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا، اسی طرح ہر گول اور ہر منزل تک رسائی ہوسکتی ہے بس آپ کو صبر سے کام لینا ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: انسان کی تمام پریشانیاں دو باتوں کی وجہ سے ہیں: تقدیر سے زیادہ چاہتا ہے۔ وقت سے پہلے مانگتا ہے۔ جب کہ ہر چیز کی مقدار اور وقت مقرر ہے۔ تو ہمیں صبر کے ساتھ تدبیر کرتے رہنا چاہیے۔

اختصاص:

موجودہ دور اختصاص کا دور ہے یعنی کسی ایک ہی فن میں مہارت تامہ حاصل کرنا، تنہا ایک فرد ہر کام نہیں کرسکتا، اس لیے تقسیم کار کے اصول پر عمل کرنا ضروری ہے عربی کا مقولہ مشہور ہے: لکل فن رجال ہر فن کے لیے کچھ مخصوص افراد ہوتے ہیں۔ ایک دور تھا جب ایک ہی شخص فقہ، حدیث، تفسیر، کلام، نحو، منطق، حکمت، فلسفہ ان تمام شعبہ جات میں مہارت تامہ اور ید طولی رکھتا تھا مگر مرور زمانہ کے ساتھ جہاں دیگر چیزوں میں کمی آئی وہیں علم کے میدان میں بھی زوال آیا اب حال یہ ہے کہ فرد واحد میں ان تمام فنون کا یک جا ہونا خواب و خیال سے کم نہیں اس لیے دور حاضر میں اختصاص کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے وہ فرمایا کرتے تھے: طلبہ کے لیے دو چیزیں بہت اہم ہیں، ایک ہے اخلاص اور دوسرا ہے اختصاص، جو طالب علم ان دونوں چیزوں سے متصف ہوگا دین و دنیا کی کامیابی ان کے قدم چومے گی۔

کسی نے کہا تھا کہ نبوت اور ولایت وہبی ہیں جو محض اللہ کے فضل سے عطا کی جاتی ہے باقی اس کے علاوہ جتنے رتبے ہیں سب کسبی ہیں یعنی انسان بڑا ہو کر حاصل کرسکتا ہے، شرط یہ ہے کہ وہ تین چیزوں کو اپنا لے [1] یقین [2] جذبہ اور شوق [3] محنت شاقہ۔ ڈاکٹر اقبال نے ان چیزوں کو بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے:

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

یعنی پختہ یقین، مسلسل محنت اور سچا جذبہ، یہ تینوں چیزیں زندگی کی جنگ میں تلوار کا کام کرتی ہیں، جسے یہ تین چیزیں حاصل ہیں وہ کبھی ناکام و نامراد نہیں ہوتا۔

کسی بھی کام میں کامیابی کے لیے کیا ضروری ہیں:

عالم اسلام کی معروف شخصیت علامہ ثاقب شامی دامت برکاتھم القدسیہ بیان کرتے ہیں کہ کسی بھی چیز میں کامیابی کے لیے چار چیزیں ضروری ہیں :[۱]جانا کہاں ہے یعنی مقصد کیا ہے ؟[2]جانا کس طرح ہے ؟یعنی مقصد کے حصول کا طریقہ کار کیا ہوگا ۔[3]جان کتنی ہے ؟یعنی صلاحیت کتنی ہے ؟[4]جان لگادیں گے یعنی مقصد کے حصول میں جان کی بازی لگادیں گے ۔

کسی نے کسی سے پوچھا کہ کامیابی کیسے ملتی ہے ؟تو اس نے جواب دیا: کامیابی کریکٹ ڈسیزن[صحیح فیصلہ] لینے سے ملتی ہے اور کریکٹ ڈسیزن تجربہ سے آتا ہے اور تجربہ ہمیشہ غلط ڈسیزن لینے سے آتا ہے، اس لیے اٹھو اور ڈیسیزن لے کے دیکھو اگر غلط ہوا تو تجربہ حاصل ہوگا اور اگر صحیح ہوا تو کامیابی ہاتھ آئے گی۔

عصری علوم:

دین اسلام ہر اس علم کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو اسلامی عقیدہ وعمل سے مزاحم ہوئے بغیر انسانی معراج کا ضامن ہو، اسلام کسی بھی علم کے حصول کو منع نہیں کرتا، ہمارے مذہب نے جہاں دینی علوم کے حصول کو فرض قرار دیا ہے وہیں دنیاوی علوم کے حصول کی بھی ترغیب دی ہے۔ جیسا کہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَتَعَلَّمَ لَهُ كَلِمَاتٍ مِنْ كِتَابِ يَهُودَ، قَالَ: إِنِّي وَاللَّهِ مَا آمَنُ يَهُودَ عَلَى كِتَابٍ، قَالَ: فَمَا مَرَّ بِي نِصْفُ شَهْرٍ، حَتَّى تَعَلَّمْتُهُ لَهُ، قَالَ: فَلَمَّا تَعَلَّمْتُهُ كَانَ إِذَا كَتَبَ إِلَى يَهُودَ كَتَبْتُ إِلَيْهِمْ، وَإِذَا كَتَبُوا إِلَيْهِ قَرَأْتُ لَهُ كِتَابَهُمْ،

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کے لیے یہود کی کچھ تحریر سیکھ لوں، آپ نے فرمایا: "قسم اللہ کی! میں یہود کی تحریر پر اعتماد و اطمینان نہیں کرتا"، چناں چہ ابھی آدھا مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ میں نے آپ کے لیے اسے سیکھ لیا۔ کہتے ہیں: پھر جب میں نے سیکھ لیا اور آپ کو یہودیوں کے پاس کچھ لکھ کر بھیجنا ہوا تو میں نے لکھ کر ان کے پاس بھیج دیا، اور جب یہودیوں نے کوئی چیز لکھ کر آپ کے پاس بھیجی تو میں نے ان کی کتاب (تحریر) پڑھ کر آپ کو سنادی۔ {ترمذی، 2715}

بلکہ دینی اور دنیاوی علوم کی تقسیم ہی غیر مناسب ہے، ہاں نافع اور غیر نافع کی تقسیم انسب ہوگی یا یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ خالق کی معرفت، استحکام انسانیت اور ارتقاے بشریت کے لیے جو علم حاصل کیا جائے وہ علم دین ہے۔ ہمارے مسلم نوجوانوں کو بنیادی دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم میں بھی دلچسپی لینی چاہیے تاکہ قرآنی ارشاد : وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ- ترجمہ: اور ان کے لیے تیار رکھو جو قوّت تمہیں بن پڑے۔ {سورہ انفال، آیت:60} پر عمل ہوسکے اور اسلام کی ترویج واشاعت میں بھرپور مدد مل سکے، خصوصا ہمارے مسلم طلبہ کو صرف مولویت، عالمیت اور فضلیت کی ڈگری پہ انحصار نہیں کرنا چاہیے بلکہ انہیں انجینئرنگ، ٹکنالوجی، میڈیسین، مینیجمینٹ، پیرا میڈیکل، کامرس، آرکیٹکچر، قانون، میڈیا اور اکاونٹینس وغیرہ کے ساتھ ساتھ سول سرویسز کی جانب بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ آج نصاب میں فرقہ پرستی کا زہر گھولا جارہا ہے، سرکاری اسکیموں سے اقلیتوں کو محروم کیا جارہا ہے، اسکول وکالج میں سوریہ نمسکار، یوگا اور وندے ماترم جیسے شرکیہ کاموں کو لازمی سبجیکٹ قرار دیے جانے کی کوششیں کی جارہی ہیں، فجر کی اذان پر رکاوٹ، مسلم پرسنل لا پر بے جا مداخلت اور یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی باتیں کی جارہی ہیں، مدارس اسلایہ کو دہشت گردی کا اڈہ اور ہندوستان کو ہندو راشٹر بنانے کی دھمکیاں دی جارہی ہیں، ان سب کا علاج اور جواب آئی ایس افسر کے پاس ہے، اس لیے مسلمان آئی ایس افسر بنے اور عصری علوم وفنون میں عروج وکمال پیدا کرے۔

☆☆☆

ہر مخالفت کا جواب کام ہے

(حافظ ملت علیہ الرحمہ)

نشہ کے سنگین نقصانات

نرگس خان بنت ڈاکٹر امیر خان برہریہ سیوان (بہار)

حیات مستعار اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک بیش قیمت اور بے بہا تحفہ ہے۔ اس لیے حتی المقدور اپنی اور دوسروں کی زندگی کی حفاظت کرنا انسانیت کا پہلا درس ہے۔ لیکن افسوس! اس پرآشوب دور میں انسان اس قیمتی زیست کو نیست کرنے پہ تلا ہوا ہے۔ دوسروں کی زندگی کی تو دور، اپنے ہاتھوں اپنے ہی نہال زندگانی کا خاتمہ کر رہے ہیں۔ معاشرے میں یہ وہ افراد ہوتے ہیں جو اپنی گلی، محلے اور بازار وغیرہ میں نشہ آور اشیا میں ملوث رہا کرتے ہیں۔ ہماری نوجوان نسل میں روز افزوں نشہ کی لت پڑتی جا رہی ہے، جب کہ نشہ ایک ایسی لعنت ہے جو انسان کو حواس خمسہ سے لاپروا اور دین و دنیا سے بے خبر کر دیتی ہے، یہاں تک کہ انسان بتدریج موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں نشہ نے معاشرت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ نشہ سے ایسے سینکڑوں امراض پیدا ہوتے ہیں جو انسانیت کے لیے سم قاتل ہے۔ منشیات نے انسانی زندگی کو مفلوج کر دیا ہے۔ کثیر تعداد میں لوگ نشہ کے عادی ہو چکے ہیں۔ بوڑھا ہو یا جوان، مرد ہو یا عورت، امیر ہو یا غریب، افسر ہو یا حاکم، تاجر ہو یا کسان، بے شمار افراد نشے کی وبا میں مبتلا ہیں۔ انسان منشیات کا عادی بن کر خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں، جب کہ رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے: لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ۔ (البقرۃ، ۱۹۵)

ترجمہ: اور اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اسی وجہ سے شریعت نے ہر نشہ آور شئی کی ممانعت فرمائی ہے۔ خواہ وہ شراب ہو یا بھنگ، چرس ہو یا گانجا، افیون ہو یا ڈرگس۔ چناں چہ اللہ کے نبی –صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم– نے ارشاد فرمایا ہے: کل مسکر حرام۔ (صحیح مسلم)

مذکورہ حدیث مبارکہ سے واضح ہے کہ ہر نشہ آور شئی حرام ہے۔ منشیات میں اخروی و دنیاوی دونوں نقصانات ہیں۔

اخروی نقصانات:

نشوں کے رسیا اپنی جان کے دشمن ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے رب کے ایسے ناشکرے بندے ہوتے ہیں جو اپنے رب کی عطا کردہ زندگی کی قدر کرنے بجائے اسے برباد کرنے پہ تلے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ منشیات سے متعلق قرآن و احادیث میں سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔ چناں چہ ارشاد ربانی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (المائدۃ، ۹۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور قسمت معلوم کرنے کے تیر ناپاک شیطانی کام ہیں تو ان سے بچتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

مذکورہ آیت کریمہ میں شراب (جو کہ منشیات میں سب سے زیادہ غلیظ اور حرام ہے)، جوا، انصاب اور ازلام یعنی پانسے ڈالنے کو نجس و ناپاک اور انھیں شیطانی کام قرار دیا گیا ہے۔

نشہ بازی سے عقل زائل ہو جاتی ہے۔ غیرت و حمیت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ ماں، بہن اور بیٹی کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ عبادت سے دل اکتا جاتا ہے۔ عبادت کی لذت دل سے نکل جاتی ہے۔ تبھی تو رب تعالیٰ شراب سے متعلق ارشاد فرماتا ہے: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ (البقرۃ، ۲۱۹)

ترجمہ: آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے

ہیں، تم فرمادو! ان دونوں میں کبیرہ گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ دنیاوی منافع بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ برا ہے۔

نشہ آور اشیا کے اخروی نقصانات میں سے سب بڑا نقصان یہ ہے کہ نشے میں دھت انسان اللہ تعالیٰ کی ناراضگی خرید کر اپنی آخرت اکارت کرلیتا ہے۔

منشیات کے تخم فساد نے جو برگ وبار پھیلائے ہیں، ان سے معاشرے کی فضا غبار آلود ہوچکی ہے۔ نشہ خوروں کا آخرت میں جو انجام ہوگا وہ اپنی جگہ مسلم ہے، لیکن دنیاوی خسارے کا اندازہ اس بات سے لگاسکتے ہیں کہ اس قبیح فعل سے ایسے سینکڑوں امراض جنم لیتے ہیں جو انسان کے لیے زہر ہلاہل ثابت ہوسکتا ہے۔ ان میں بعض ایسی بیماریاں ہیں جو سرعت موت کا سبب بھی بن سکتی ہیں۔ چند دنیاوی نقصانات ملاحظہ کریں!

صحت مند جسم سے محرومی:

شراب، افیون، چرس، گانجا، بیری، سگریٹ اور تمباکو کے علاوہ دیگر نشہ آور اشیا جسم کے ہر حصے پر اثرانداز ہوتی ہیں۔ مگر دماغ، آنکھ اور معدے پر ان کے اثرات بہت زیادہ ہوتے ہیں، نشہ میں ملوث لوگوں میں اکثر دائمی قبض کے شکار ہوتے ہیں، ان کا عمل تنفس کمزور ہوجاتا ہے اور احساسات میں نقص واقع ہوتا ہے لیکن حالت مرض میں ان کے درد کا احساس ختم ہوجاتا ہے۔ چناں چہ منشیات کے عادی لوگوں کے دل کا دورہ درد کے بغیر ہوتا ہے اور جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔

اخلاقیات کا فقدان

منشیات کے استعمال کا ایک برا اثر معاشرے پر یہ ہوتا ہے کہ اخلاقی قدروں سے معاشرہ محروم ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عفت وپاکدامنی، شرم وحیا اور اخوت وبھائی چارگی کا احساس مفقود ہوتا چلا جارہا ہے۔

جرائم کی کثرت:

دنیا کے جس ملک میں بھی منشیات کا رواج عام ہے، وہاں جرائم کی بہتات ہوتی ہے۔ کیوں کہ منشیات کے عادی افراد عقل وحواس سے دوراز کار ہوجاتے ہیں، اس لیے جرائم کی عتاب کی پروا کیے بغیر انجام دیتے ہیں، قتل، عصمت ریزی، ظلم وزیادتی، سب وشتم، ہذیان گوئی اور باعزت لوگوں کی بے توقیری، چوری ڈکیتی جیسے جرائم عام ہوتے جارہے ہیں۔

معاشرے میں تحمل ورواداری کا مفقود ہونا:

منشیات کا ایک برا اثر تحمل اور رواداری کا فقدان ہے، نشہ کی بد مستی انسان سے ناکردنی کرالیتی ہے اور ناگفتی کہوادیتی ہے۔ نشہ کے عادی افراد معمولی سی بات پر قتل وغارت گری تک پہنچ جاتے ہیں، مدمقابل خواہ دشمن ہو یا دوست، افاقہ ہونے تک پانی سر گذر چکا ہوتا ہے، پھر عداوت وانتقام کا شعلہ بھڑکتا رہتا ہے۔

طلاق کا بکثرت رجحان:

نشے کے عادی لوگوں کے اہل وعیال کا چین وسکون، بے چینی وبے قراری میں بدل جاتی ہے۔ آباد گھر ویران ہوجاتے ہیں۔ چوں کہ نشے کا عادی شخص اپنی ذمہ داری سے پہلوتہی کرتا ہے، اس لیے گھر میں اٹوٹ رشتے کے بندھن بھی ٹوٹ جاتے ہیں، پھر دو خاندان کے باہمی روابط میں دراڑ آجاتی ہے اور ان کی اولاد کا مستقبل بھی برباد ہوجاتا ہے۔

شراب اور منشیات سے ہونے والی بیماریوں کے علاج پر 'ڈبلیو ایچ او' کی تازہ ترین رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں تقریباً 40 کروڑ لوگ شراب نوشی اور منشیات کے استعمال سے ہونے والی بیماریوں میں مبتلا ہیں جن میں 20 کروڑ 90 لاکھ لوگ شراب کے عادی ہیں۔

بالجملہ نشہ آور اشیا انسان کی عقل وفہم کو ماؤف کردیتی ہیں اور انسان نشے کی حالت میں ایسے نازیبا حرکات کو انجام دیتا ہے، جس سے لوگوں کی نظر میں اس کی عزت ووقعت دگرگوں ہوجاتی ہے، اس کا وقار ختم ہوجاتا ہے، نیک کاموں کی طاقت وقوت ختم ہوجاتی ہے اور برائیوں کے قعر مذلت میں جاگرتا ہے، جسمانی صحت بھی خراب ہوجاتی ہے، کام کرنے کی طاقت وقوت کالعدم ہوجاتی ہے۔

اطبا اس بات پر متفق ہیں کہ شراب اور منشیات ایک سست رفتار زہر ہے، جو آہستہ آہستہ انسان کے جسم کو کھوکھلا اور کمزور

کرتا جاتا ہے، انسان کی زندگی اس کے لیے امانت ہے، انسان کے وجود سے نہ صرف اس کے بلکہ سماج کے بہت سے افراد کے حقوق متعلق ہوتے ہیں۔ نشہ کے استعمال کرنا گویا ان حقوق کی ادائیگی سے روگردانی کرنا ہے۔

منشیات کے نقصانات کا دوسرا پہلو مالی ہے، سیال منشیات ہوں یا جامد، قابل لحاظ قیمت کی حامل ہوتی ہیں، شراب کی ایک بوتل اتنی قیمتی ہوتی ہے کہ خط غربت سے نیچے زندگی بسر کرنے والے لوگوں کا ایک کنبہ اس سے اپنی ایک وقت کی روٹی روزی کا سامان کر لیتا ہے، یہ تو معمولی نشہ آور اشیا کا حال ہے، بعض منشیات تو اتنی قیمتی ہیں کہ ایک کیلو کی قیمت ایک کروڑ روپے ہوتی ہے، ہماری حکومت ایک مہلوک کے لیے ایک لاکھ روپے ایکس گریشیا دیتی ہے، اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ ایک کیلو ہیروئن کی قیمت ایک سو انسانوں کے برابر ہے، اس سے ہمارے عہد میں انسانی وجود کی ناقدری اور صحت و اخلاق کے لئے مخرب اشیا کی "قدر وقیمت" کا تقابل کر سکتے ہیں!

بسا اوقات نشہ باز اپنے نشے کی آگ کو بجھانے کے لیے گھر کے ضروری سامان تک کو فروخت کر دیتا ہے۔ چاہے کھانے کو دو روٹی میسر نہ ہو، گھر کے لوگ بھوک اور فاقہ سے گذار رہے ہوں، علاج کے لیے پیسے میسر نہ ہوں؛ لیکن جو اِس عادت کا اسیر ہو گا، وہ انسانی ضروریات کو پس پشت ڈال کر پہلے اپنی اس خوے بد کو پورا کرنے کی کوشش کرے گا؛ اس لیے اسراف اور فضول خرچی کا یہ بہت بڑا محرک ہے۔

اس برائی سے سماج کو بچانے کی تدبیر یہی ہے کہ ایک طرف لوگوں کو نشہ کے نقصانات کے بارے میں باشعور کیا جائے اور اس کے نقصانات سے ہر سطح پر آگاہ کیا جائے نیز اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی جائے، کیوں کہ مذہب اسلام ہی وہ مذہب ہے جو اپنے پیروکاروں کو ہر اس چیز سے روکتا ہے، جس میں اس کا دنیاوی یا اخروی نقصان ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین! بجاہ سید المرسلین۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مولانا مبارک حسین مصباحی: مدیر باتدبیر

مفتی غلام محمد ہاشمی مصباحی: نائب مدیر سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور

دنیائے سنیت کی مقبول و معروف دانش گاہ از ہر ہند جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فضلا اور فارغین میں ایک مؤقر نام حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ کا ہے جو چند روز قبل قضائے الٰہی سے اس دنیا سے رحلت فرماکر دارآخرت تشریف لے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی تربت پر رحمت ومغفرت کی مطر غزیر نازل فرمائے اور انھیں شمیم جنت سے راحت و آرام عطا فرمائے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ بڑی خوبیوں کے حامل تھے، آپ حافظ قرآن بھی تھے اور قاری بھی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے عالم وفاضل بھی تھے اور متخصص فی الادب العربی بھی، انتہائی خلیق ومتین اور متواضع تھے، درس وتدریس، وعظ وخطابت اور تحریر وتصنیف مختلف شعبوں میں اپنی الگ شناخت اور نمایاں مقام رکھتے تھے۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ۱۹۸۹ء میں آپ کی فراغت ہوئی، ۱۹۹۰ء میں استاذ مقرر ہوئے اور اسی سال ذی الحجہ وجولائی کے مہینے میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے دینی وعلمی ترجمان ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر بھی منتخب کیے گئے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ عہد طالب علمی ہی سے تحریر وتصنیف اور تحقیق وتالیف سے کامل شغف رکھتے تھے، مہارت وعبور اور مقبولیت حاصل کرنے کے لیے وہ اس میدان میں ہر جہت سے کوشش فرماتے، اس طرح ان کا پورا عہد طالب علمی درسی کتابوں کے حل کرنے اور دیگر درس گاہی ذمے داریوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ مضمون نویسی، مقالہ نگاری اور تحریر وتالیف میں مکمل مصروف رہا، جہد مسلسل اور عمل پیہم کا صلہ یہ ملا کہ فراغت تک وہ اس میدان کے عظیم شہ سوار اور بطل جلیل بن گئے اور مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ارباب حل وعقد نے تقرری کے بعد جب ان کو اس قابل دیکھا تو ادارتی ذمے داری بھی ان کو سپرد فرمادی۔ موصوف ایک ذمے دار اور کامیاب مدیر کی حیثیت سے ماہنامہ اشرفیہ کی خدمت کرتے رہے، اور آج ان کی یہ ادارتی خدمات تقریبا ۳۶/ سال یعنی ساڑھے تین دہائی سے زیادہ کے طویل عرصے کو محیط ہوگئی۔

ایک کامیاب مدیر کے اندر بہت ساری صلاحیتوں اور خوبیوں کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے جیسے: (۱) زبان وبیان پر عبور (۲) علمی بصیرت اور وسعت مطالعہ (۳) تحقیقی وتنقیدی صلاحیت (۴) مضامین کا حسن انتخاب (۵) تنظیمی وترتیبی ہنر (۶) جدید رنگ وآہنگ سے رسالے کو مزین کرنے کا سلیقہ (۷) زمانہ اور اہل زمانہ کے احوال پر گہری نظر اوران سے متعلق قارئین کے لیے بصیرت افروز اور چشم کشا فکری مضامین کی تیاری (۸) تحریر ونگارش میں شرعی اور مذہبی امور کی کامل رعایت (۹) ادارہ کی ترجمانی اور رسالہ کے معیار کا پاس ولحاظ (۱۰) رسالہ کے تمام صفحات کو دلکش وجاذب بنانے کے ساتھ ناظرین کے لیے ان کو معلومات افزا بنانا (۱۱) رسالے کو وقت پر منظر عام پر لانا (۱۲) گاہے بگاہے اہم شخصیتوں، خاص موضوعات، تاریخی حقائق اور یادگار واقعات پر نمبر اور خصوصی شمارے کی اشاعت وغیرہ۔

مذکورہ خوبیوں اور ہنر مندیوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو ممدوح گرامی کے اندر یہ ساری باتیں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں، وہ کثیر اوصاف وکمالات کے حامل تھے، ان کے اندر علمی گیرائی بھی تھی اور فکری گہرائی بھی، تحقیق وجستجو کا ذوق سلیم بھی رکھتے تھے اور خدمت خلق کا جذبۂ

بیکراں بھی، وہ مونس بھی تھے اور مخلص بھی، اردو ادب میں انھیں غیر معمولی عبور حاصل تھا، ان کی تحریروں میں علمی پختگی، سلاست وروانگی، دلائل و حوالہ جات کی کثرت اور سادگی و شفافی یکساں پائی جاتی ہے، وہ الفاظ کو مقصد، فکر کو سمت، اور تحریر کو تاثیر عطا کرتے تھے، ان کا دار یہ بڑے شوق سے پڑھا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کی ادارت میں ماہنامہ اشرفیہ کا گراف اور معیار روز بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا آج پوری دنیا میں اسے اعتبار اور قدر کی نگاہ سے دیکھا اور مطالعہ کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ نے بحیثیت مدیر اپنے عہد ادارت میں جو کارنامے انجام دیے ان میں پابندی کے ساتھ ہرماہ کے شمارے کی اشاعت کے ساتھ ساتھ کئی بہترین نمبروں، خصوصی شماروں اور گوشوں کی اشاعت بھی شامل ہے جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں، مولانا موصوف کے ان اہم کارناموں نے ان کے ادارتی قد اور مقام کو اور بہت اونچا کر دیا ہے، ذیل میں انھی اہم کارناموں پر کچھ تبصرہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے:

(۱)- پیغمبر اعظم نمبر:

آقاے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور حیات مبارکہ کے مختلف گوشوں پر لکھے گئے مضامین کا یہ ایک وقیع مجموعہ ہے، اس کی سن اشاعت ۱۹۹۱ء ہے، منصب ادارت سنبھالنے کے بعد جب مختلف نمبروں، خصوصی شماروں اور گوشوں کا منصوبہ بنا تو حصول برکت کے لیے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک ہی سے آپ نے آغاز فرمایا، اس حساب سے اس نمبر کو اولیت کا مقام حاصل ہے اور یہ آپ کا ایک بڑا تحریری کارنامہ ہے۔

(۲)- سیدین نمبر:

اپنے عہد ادارت میں جتنے نمبروں کی آپ نے اشاعت فرمائی ان میں سب سے زیادہ ضخیم یہی ہے، ۱۳۲۲/ صفحات پر مشتمل ہے، خانوادۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کی دو عظیم شخصیتوں یعنی (۱) سید العلما حضرت علامہ سید شاہ آل مصطفی سید میاں برکاتی قدس سرہ (۲) احسن العلما حضرت علامہ سید شاہ مصطفی حیدر حسن میاں برکاتی قدس سرہ کی حیات و خدمات پر لکھی گئی ہے۔

(۳)- مجاہد آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی نمبر:

بطل حریت، قائد جنگ آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ کی حیات و خدمات اور شخصیت پر یہ ایک اہم نمبر ہے، اس کی ضخامت چار سو صفحات سے زائد ہے، اس نمبر میں مولانا موصوف علیہ الرحمہ کے کئی گراں قدر اور اہم مضامین شامل ہیں۔

(۴)- صدر الشریعہ نمبر:

یہ نمبر صدر شریعت بدر طریقت حضرت علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات اور کارناموں پر مشتمل ہے، جمادی الاولی و جمادی الآخرہ ۱۴۰۶ھ مطابق اکتوبر و نومبر ۱۹۹۵ء اس کی سن اشاعت ہے، نمبروں میں یہ بھی بڑی اہمیت کے حامل ہے، ۲۸۶/ صفحات پر مشتمل ہے۔ ان کے علاوہ باقی نمبر سن اشاعت کے ساتھ درج ذیل ہیں:

(۵)- انوار حافظ ملت نمبر:

اس کی اشاعت ۱۹۹۲ء میں ہوئی۔

(۶)- تعلیمی کنونشن نمبر:

اس کی اشاعت ۱۹۹۶ء میں ہوئی۔

(۷) سلطان الہند خواجہ غریب نواز نمبر:

سن اشاعت ۱۹۹۸ء ہے۔

(۸) فقیہ اعظم ہند نمبر:

سن اشاعت ۲۰۰۰ء ہے

(۹) جشن شارح بخاری نمبر:

اس کی اشاعت بھی ۲۰۰۰ء میں ہوئی۔

(۱۰) انقلاب ۱۸۵۷ء نمبر:

یہ ۲۰۰۸ء کو شائع ہوا۔

خصوصی شماروں کی اشاعت

کئی اہم شخصیات پر آپ نے خصوصی شمارے بھی نکالے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے:

(۱) ۲۰۰۱ء میں فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ کے نام سے۔ (۲) ۲۰۰۲ء میں قائد اہل سنت رئیس القلم

حضرت علامہ ارشد القادری رحمہ اللہ کے حوالے سے (۳) ۲۰۰۷ء میں مفتی اعظم راجستھان مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی رحمہ اللہ کے نام سے۔ (۴) ۲۰۰۴ء کے بعد مجلس شرعی کے بینر تلے منعقد ہونے والے سیمیناروں کے ۱۸ر مقبول خصوصی شمارے آپ نے شائع کرائے جس میں سیمینار کی پوری تفصیل پیش فرمائی۔ محقق مسائل جدیدہ سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی دام ظلہ اپنی تعزیتی تحریر میں ان ۱۸ر خصوصی شماروں کا تذکرہ کرتے ہوے اور موصوف کو سراہتے ہوے لکھتے ہیں:

”خصوصی شماروں کے ضمن میں ایک بات بطور خاص قابل ذکر ہے، سنہ ۲۰۰۴ء میں جب شعبۂ مجلس شرعی کی نشاۃ ثانیہ اور ارکان کی تجدید کاری ہو رہی تھی تو مولانا مرحوم بھی اس کے رکن منتخب ہوئے۔ مولانا نے اس کے رکن ہونے کی حیثیت سے بہترین ذمہ داری اس طور پر نبھائی کہ مجلس شرعی کے سیمینار کے بعد ماہنامہ اشرفیہ کا سیمینار کے متعلق خصوصی شمارہ شائع کرتے۔ اس کی تفصیلات کو ادارتی صفحات میں جگہ دیتے، اداریہ لکھتے اور سوال نامہ تلخیص مقالات، اسمائے مندوبین اور تاثرات کو شامل کرکے اسے ہر سیمینار کا خصوصی شمارہ بنا دیتے۔ ان کی ادارت میں مجلس شرعی کے سیمیناروں کے اٹھارہ (۱۸) مقبول خصوصی شمارے شائع ہوئے۔ جس کے لیے مجلس شرعی مولانا کی ہمیشہ شکر گزار اور دعاگو رہے گی۔ (از: تحریر مفتی محمد نظام الدین رضوی)

گوشۂ امام احمد رضا کی اشاعت

آپ کے اہم کارناموں میں ایک بڑا کارنامہ امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں قدس سرہ کے نام پر خصوصی گوشے کی اشاعت بھی ہے، یہ خصوصی گوشہ ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا جو بڑا مقبول ہوا، ”عہد حاضر میں فکر رضا کی معنویت“ کے عنوان سے آپ نے بڑا ازبرست اداریہ تحریر فرمایا تھا جسے بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔

بلاشبہہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی اپنے عہد کے ایک ممتاز قلم کار، معروف مذہبی صحافی، صاحب طرز ادیب، بہترین ناقد، حق نویس مؤرخ، مخلص مربی و مدرس اور چرب زبان خطیب و مصلح تھے، آپ کی زبان بھی بڑی شستہ اور صاف تھی، بڑے متحرک اور فعال تھے، تن تنہا ایک تحریک اور تنظیم تھے، جامعہ اشرفیہ کی پوری زندگی آپ کی قابل رشک اور کامیاب رہی، آپ طلبہ سے بھی بڑے پیار اور محبت سے ملتے تھے، جامعہ اشرفیہ کے ایک سینیر ٹیچر اور ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر ہونے کے ساتھ ساتھ اور بہت سارے مناصب اور عہدوں پر فائز تھے۔ اللہ تعالی آپ کی تمام خدمات قبول فرمائے اور انھیں آپ کے لیے ذریعۂ نجات بنائے۔

ص:19 کا بقیہ

(م)
مصنّف ، صاحبِ اسلوب نثّار
رضائے حق تعالیٰ کے طلب گار
(ص)
صحافی ، صاحبِ فکر و بصیرت
خسارہ دین کا ہے ان کی رحلت
(ب)
بڑی بیباک تھی ان کی خطابت
طرب انگیز تھی ان کی صحافت
(ا)
ادب ان کا برائے زندگی تھا
ادب ان کا برائے بندگی تھا
(ح)
حفاظت دین کی کرتے رہے وہ
رہِ حق پر سدا چلتے رہے وہ
(ی)
یہی خورد و کلاں سب کہہ رہے ہیں
مبارک ' سوئے جنت چل بسے ہیں '

•••

مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمۃ: اوصاف و کمالات

مولانا محمد سبحان رضا مصباحی

علم و فضل کی دنیا میں بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو اپنی ذات میں ایک ادارہ، ایک تحریک اور ایک عہد کی نمائندہ بن جاتی ہیں۔ حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمۃ انہی نابغۂ روزگار اہلِ علم میں شمار ہوتے ہیں جن کی زندگی علم، تحقیق، تدریس، تصنیف، اخلاق اور دعوت و اصلاح کے روشن ابواب سے مزین رہی۔ آپ نے اپنی علمی بصیرت، فکری گہرائی اور دینی خدمات کے ذریعے نہ صرف علمی حلقوں میں بلکہ عوام و خواص کے دلوں میں بھی ایک منفرد مقام حاصل کیا۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ممتاز اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا، آپ نے طویل عرصہ تک درس و تدریس کے میدان میں اپنی خدمات انجام دیں۔ آپ کی شخصیت میں ایک طرف قدیم علمی روایت کا وقار تھا تو دوسری طرف عصری تقاضوں کا گہرا شعور بھی موجود تھا۔ اسی امتزاج نے آپ کو اپنے معاصرین میں ممتاز اور منفرد بنا دیا۔

علمی کمالات

مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمۃ کی علمی وسعت کا اندازہ ان کی تحریروں، مقالات اور دروس سے بخوبی ہوتا ہے۔ فقہ، تفسیر، حدیث، سیرت، تاریخ اور ادبیاتِ اسلامیہ پر آپ کی گہری نظر تھی۔ آپ نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا اور ہر موضوع کو تحقیقی انداز میں پیش کیا۔ ان کی تحریروں میں استدلال کی مضبوطی، زبان کی شگفتگی اور فکر کی پختگی نمایاں نظر آتی ہے۔

آپ ایک صاحبِ طرز مصنف تھے۔ متعدد علمی و تحقیقی مضامین اور کتابیں آپ کے قلم کا فیض ہیں۔ علمی حلقوں میں آپ کی نگارشات کو اعتماد و استناد کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ کی تحریروں میں اعتدال، وسعتِ نظر اور مسلکی وابستگی کے ساتھ علمی دیانت داری کا حسین امتزاج ملتا ہے۔

تدریسی خدمات

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمۃ کی درس گاہ سے بے شمار طالبان علوم نبویہ نے اکتساب فیض کیا۔ آپ کا اندازِ تدریس نہایت سادہ، مؤثر اور دل نشین تھا۔ مشکل علمی مباحث کو آسان پیرائے میں سمجھانا آپ کا خاص وصف تھا۔ طلبہ کے ساتھ شفقت، حسنِ اخلاق اور علمی رہ نمائی آپ کی شناخت تھی۔

راقم الحروف کو درس نظامی کی مشہور کتاب **"شرح وقایہ"** آپ سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، ایک دفعہ دوران درس ٹرین، ہوائی جہاز اور سواری پر نماز کے سلسلے میں بحث چلی، آپ نے ایسے دل نشیں اور احسن انداز میں مسئلے کی وضاحت فرمائی کہ دل باغ باغ ہو گیا۔

آپ کے تلامذہ آج مختلف اداروں، جامعات اور دینی مراکز میں خدمات انجام دے رہے ہیں اور اپنے استاذِ محترم کے علمی فیض کو آگے منتقل کر رہے ہیں۔ یہ آپ کی تدریسی عظمت کا روشن ثبوت ہے۔

تحقیقی و ادبی صلاحیتیں

مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمۃ صرف ایک مدرس ہی نہیں بلکہ ایک ممتاز محقق اور ادیب بھی تھے۔ ایک عرصہ تک ماہنامہ اشرفیہ کے ایڈیٹر رہے۔ آپ کی تحریروں میں تحقیق کا وقار اور ادب کی لطافت اور طنز و تنقید کی چاشنی بھرپور ملتی ہیں۔ آپ تاریخی واقعات کا تجزیہ

انتہائی باریک بینی سے کرتے اور مسائل کو دلائل کی روشنی میں واضح فرماتے تھے۔

اردو زبان پر آپ کو غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ماہنامہ اشرفیہ کا اداریہ اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے ۔ آپ کا اسلوب شستہ، رواں اور دل نشین تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریریں علمی حلقوں کے ساتھ ساتھ عام قارئین میں بھی مقبول رہیں۔

اخلاق وکردار

علم کے ساتھ حسنِ اخلاق اگر جمع ہوجائے تو شخصیت میں نورانیت پیدا ہوجاتی ہے، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی زندگی اس حقیقت کی روشن مثال تھی۔ انکساری، تواضع، خندہ پیشانی، اخلاص اور خدمتِ دین کا جذبہ ان کے نمایاں اوصاف تھے۔

آپ ہمیشہ اتحادِ امت، محبت اور خیر خواہی کا درس دیتے رہے۔ اختلاف کے مواقع پر بھی اعتدال اور شائستگی کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف طبقات کے لوگ آپ کا احترام کرتے تھے۔

دینی وملی خدمات

آپ نے دینِ اسلام کی اشاعت، مسلک اعلیٰ حضرت کی ترجمانی اور ملت اسلامیہ کی فکری رہنمائی میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ مختلف علمی و دینی اجتماعات اور سیمیناروں میں آپ کی شرکت اس کی کام یابی کی ضمانت ہوتی تھی، اہلِ علم آپ کے خطبات ومقالات کی پذیرائی کرتے اور داد وتحسین سے نوازتے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی دین کی خدمت اور علم کی ترویج کے لیے وقف کردی تھی۔

وعظ وخطابت

خطابت کے میدان میں بھی حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کا نام نہایت احترام اور عقیدت کے ساتھ لیا جاتا تھا۔ آپ ایک کہنہ مشق ادیب ہونے کے ساتھ باوقار داعی اور مؤثر خطیب بھی تھے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی کی خطابت کا سب سے نمایاں وصف سادگی اور اثر آفرینی ہے۔ آپ اپنے خطبات میں پیچیدہ علمی مباحث کو بھی نہایت آسان اور عام فہم انداز میں پیش کرتے تھے، جس سے عام سامعین بھی بھرپور استفادہ کرتے۔ آپ کی گفتگو قرآن و حدیث کے دلائل سے مزین ہوتی تھی اور ہر موضوع کو مضبوط علمی بنیادوں پر بیان کرتے۔

آپ کی خطابت میں دردِ امت، اخلاص اور للّٰہیت نمایاں طور پر محسوس ہوتی ۔ جب آپ اسلامی تعلیمات، سیرتِ نبوی ﷺ، اصلاحِ معاشرہ اور اخلاقی اقدار پر گفتگو کرتے تو سامعین کے دلوں پر گہرا اثر مرتب ہوتا۔ آپ کا اندازِ بیان نہ صرف معلومات فراہم کرتا بلکہ دلوں میں عمل کا جذبہ بھی پیدا کرتا۔

آپ ایک کام یاب خطیب تھے ،اکثر حالات حاضرہ پر گفتگو فرماتے اور سلگتے ہوئے مسائل کو اجاگر کرتے اور گاہے گاہے منتخب عناوین پر بھی خطابت فرماتے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے فرمایا:

ایک بار ہمیں **”علامہ فضل حق خیرآبادی“** کا موضوع پہلے سے دیا گیا تھا مگر جب ہم اسٹیج پر پہنچے تو ایک عالم کا خطاب ہورہا تھا۔ مولانا علی احمد سیوانی نے بحیثیت ناظم اجلاس فرمایا: حضرت آپ کا موضوع بدل گیا ہے، اب موضوع یہ ہوگیا ہے **”مرکز اہل سنت بریلی شریف“** ہم نے ان کی بات سنی اور چند لمحات کے لیے ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے، اس سے قبل سب کو وقت بتایا جارہا تھا مگر ہم سے فرمایا آپ جتنا چاہیں بیان فرمائیں، ہمارے نام کا اعلان ہوا، اتنی دیر میں امام احمد رضا محدث بریلوی اور خانوادہ رضویہ کا فیضان ہو چکا تھا ،ہم نے خطبۂ مسنونہ کے بعد عرض کیا کہ ہمیں موضوع دیا گیا تھا ”حضرت علامہ فضل حق خیرابادی قدس سرہ العزیز“مگر ابھی چند منٹ پہلے موضوع بتایا گیا ”مرکز اہل سنت بریلی شریف“ مگر ہم بیان کریں گے کہ مرکز اہل سنت بریلی شریف ہی کیوں ؟اب جو ہم نے شروع کیا اور رضوی فیضان کا مظاہرہ ہوا تو لاکھوں کا مجمع نعروں سے گونج رہا تھا ،ہم خود حیرت زدہ تھے کہ واقعی کیا فیضان ہے ہمارے اعلی حضرت قدس سرہ کا۔(فروغ رضویات میں فرزندان اشرفیہ کی خدمات ص:409)

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے خطبات میں اعتدال، حکمت اور اتحادِ امت کا درس

دیتے ۔ آپ اختلافات کو ہوا دینے کے بجائے امت کے درمیان محبت، بھائی چارے اور باہمی احترام کو فروغ دینے کی کوشش کرتے، یہی وجہ ہے کہ مختلف طبقات کے لوگ آپ کے بیانات کو توجہ سے سنتے اور پسند کرتے تھے۔

اصاغر نوازی اور حوصلہ افزائی:

علم و ادب کی دنیا میں بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو خود تو روشنی کا مینار ہوتی ہی ہیں، ساتھ ہی دوسروں کے لیے بھی چراغ جلانے کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ انہی عظیم شخصیات میں سے ایک تھے جنہوں نے نہ صرف علم و فن کی خدمت کی بلکہ نئی نسل کے لکھنے والوں، پڑھنے والوں اور علمی و ادبی ذوق رکھنے والے نوجوانوں کی بھرپور حوصلہ افزائی فرما کر ان کی پوشیدہ صلاحیتوں کو نکھارنے اور پروان چڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

اصاغر نوازی، شفقت اور مربیانہ طرزِ عمل آپ کی شخصیت کا ایک روشن پہلو تھا۔ آپ کے پاس آنے والا ہر طالبِ علم، نوآموز قلم کار یا علمی ذوق رکھنے والا نوجوان ان کی محبت، خلوص اور حوصلہ افزائی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ وہ نوجوانوں کی معمولی کاوشوں کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کی تعریف و تحسین کے ذریعے ان میں آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا کرتے تھے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمہ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ ہر بڑا مصنف، خطیب یا محقق ابتدا میں ایک نوآموز طالبِ علم ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ نئے لکھنے والوں کی تحریروں کا مطالعہ کرتے، ان کی اصلاح فرماتے اور نہایت شفقت کے ساتھ ان کی رہنمائی کرتے تھے۔ اگر کسی تحریر میں خامیاں ہوتیں تو ان پر تنقید کے بجائے اصلاحی انداز اختیار کرتے، تاکہ لکھنے والے کی ہمت نہ ٹوٹے بلکہ اس کا شوق مزید بڑھ جائے۔

ان کی مجالس میں علمی گفتگو کے ساتھ ساتھ فکری تربیت کا بھی خاص اہتمام ہوتا تھا۔ وہ نوجوانوں کو مطالعے کی عادت اپنانے، معیاری کتب سے استفادہ کرنے اور اپنی صلاحیتوں کو مثبت سمت میں استعمال کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ قوموں کی ترقی کا راز نوجوان نسل کی علمی بیداری اور فکری بالیدگی میں مضمر ہے۔

اس حوصلہ افزائی کا اثر یہ ہوتا تھا کہ بہت سے نوجوانوں نے ان کی سرپرستی میں لکھنے، پڑھنے کا سلیقہ سیکھا اور تحقیق و تصنیف کے میدان میں قدم رکھا۔ ان کے مشفقانہ رویے نے کئی باصلاحیت افراد کو اعتماد بخشا اور انہیں علمی و ادبی خدمات انجام دینے کے قابل بنادیا۔ وہ اپنے شاگردوں اور متعلقین کی کامیابیوں پر خوشی کا اظہار کرتے اور انہیں مزید محنت اور استقامت کی ترغیب دیتے تھے۔

محب محترم حضرت مولانا طفیل احمد مصباحی جنہوں نے آٹھ سال تک رہ کر ان کی ادارت میں کام کیا، بیان کرتے ہیں:

”حضرت علامہ مبارک حسین علیہ الرحمہ جن کی نگرانی میں اور جن کی ادارت میں مجھے آٹھ سال کا عرصہ گزارنے کا اتفاق ہوا، وہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔“

آپ جماعت اہل سنت کے ایک مایہ ناز عالم دین، باصلاحیت مدرس، جامعہ اشرفیہ کے فارغ التحصیل اور قرطاس و قلم کے حوالے سے ایک بڑے محقق تھے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کے پاس جو بھی ملنے کے لیے جاتا نہایت ہی پرتپاک انداز میں ملتے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہر ایک سے ان کی حیثیت کے مطابق ملتے اور ہر ایک کا گرم جوشی کے ساتھ استقبال کرتے۔

ان کا سب سے بڑا وصف، ان کی مہمان نوازی، خاطر داری اور حوصلہ افزائی ہے۔ نئی نسل کے علما و طلبہ ان کے پاس جاتے تو قرطاس و قلم کے حوالے سے ان کی ذہن سازی کرتے۔ وہ چاہتے تھے کہ نئی نسل جب میدان عمل میں آئیں تو قوم کے لیے عملی میدان میں نمایا کردار ادا کریں گے۔

جماعت اہل سنت میں لکھنے والے تو بہت ہیں لیکن ان کی تحریریں ادبی چاشنی سے لبریز ہوا کرتی تھیں، ان کی تحریر کو پڑھنے کے بعد قاری کو اکتاہٹ اور خشکی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔

ان کی زندگی آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ان کا علمی سرمایہ، ان کے تربیت یافتہ شاگرد اور ان کی بے مثال خدمات ہمیشہ انہیں زندہ رکھیں گی۔

•••

"معارف مخدوم اشرف" کا تجزیاتی مطالعہ

مولانا محمد عابد چشتی

ہندوستان کی سرزمین پر ملت و مذہب اور اسلامی افکار و نظریات کی ہمہ گیر اشاعت صوفیا اور اہل معرفت کی مرہون منت ہے، جنھوں نے اپنی بے لوث خدمات سے ظلمت کدۂ ہند کو بقعۂ نور بنادیا اور دیکھتے دیکھتے ہندوستان کے طول و عرض میں لاہوتی نغمات کی صدائیں گونجنے لگیں ، اس سلسلہ میں مشائخ چشت کا کردار سب سے زیادہ نمایاں ، اہم ، صدیوں پر محیط اور نا قابل فراموش ہے ۔مگر جہاں یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے وہیں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ مشائخ چشت کی دینی ، مذہبی ، فقہی ، ادبی ، علمی اور ہمہ جہت ا. صلاحی خدمات پر جتنا کام ہونا چاہیے تھا صدیاں گذر جانے کے بعد اس کا عشر عشیر تک نہیں ہو پایا جس میں غیروں کی بے اعتنائی کے بجائے خود اپنوں کی تساہلی اور جمود کا زیادہ دخل رہا۔ علم و معرفت کی اس صدی میں بھی نظر اٹھا کر دیکھیے تو سر پیٹ لینے کو جی چاہے گا کہ صوفیا اور مشائخ کی وراثتوں کے دعوے دار ، بزرگوں کے نام کی دھونی رما کر اپنے اغراض کی دو کانیں چمکانے میں تو لگے ہیں مگر ان بزرگوں کی دینی خدمات اور علمی کارناموں سے زمانے کو روشناس کرانے کی نہ توان کے پاس فرصت ہے اور نہ دل چسپی۔ حالات کی اسی ستم ظریفی پر اپنے دل کے جذبات و احساسات کا بہت واضح اور جرأت مندانہ اظہار کرتے ہوئے حضرت سید محمد جیلانی اشرف کچھوچھوی لکھتے ہیں:

" تلخ نوائی ہو تو معاف فرمائیں کہ خانوادۂ اشرفیہ بالخصوص اور سلسلۂ اشرفیہ بالعموم کے زعما تقریباً سو سال سے جگر سوزی سے زیادہ دہل پسندی کی طرف نظر آرہے ہیں (الا ماشاء اللہ) یہ اس لیے عرض ہے کہ اپنے اجداد و اکابر، خلفا و مشائخ پر تحقیقی ورک نظر ہی نہیں آتا؟ بالخصوص گذری بیسویں صدی میں عرب و عجم میں تصوف و صوفیا پر کثرت سے کثیر اللسانی تحقیقی کام ہوا ہے جسے عالمی سطح پر مثبت پذیرائی ملی ہے ، مگر صد حیف ہم سب کے مرشد اعلیٰ مخدوم اشرف پر نہ ہونے کے برابر ہے ، یہ ہم سب کا مشترکہ المیہ ہے "۔(معارف:۳۰)

مشائخ چشت کی دینی اور مذہبی خدمات پر تحقیقی کام نہ ہونے پر تأسف اور دلی غم کا اظہار کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے جس میں ایسے جواں عزم اور حوصلہ مند افراد خال خال ہی نظر آتے ہیں جو صرف " احساس زیاں " اور " اظہار زیاں " کی منزل پر نہ رک کر "تلافی مافات " کی سبیلیں بھی سوچتے ہوں ، "شہبازِ اشرفی " حضرت بشارت صدیقی صاحب کا شمار انہیں باعزم جیالوں میں ہوتا ہے ۔ بشارت صاحب کی فکری جہتیں دوسروں سے قدرے مختلف دکھائی دیتی ہیں ، وہ حالات و افراد اور زمانے کی ستم رانیوں پر ماتم کرنے اور قرطاس و قلم کی توانائیاں اپنی کوتاہیوں پر "مرثیہ خوانی" کے لیے صرف کرنے کا مزاج نہیں رکھتے بلکہ ان کی حرکی طبیعت اور بلند حوصلے انہیں "مابعد مرثیات "سوچنے اور مضبوط لائحہ عمل کے ساتھ تلافی مافات کے لیے اپنی ذمہ داریاں نبھانے پر مہمیز کرتے ہیں ۔ صدیقی صاحب کی شخصیت کا تعلق ان سرفروشوں سے ہے جن کی تگ و دو ، محنت ، لگن ، اسلاف کی خدمات کو منظر عام پر لانے کی دھن اور مشائخ چشت کے علمی کارناموں سے زمانے کو روشناس کرانے کی تڑپ میں احمد فرازؔ کے اس شعر کی بازگشت صاف سنائی دیتی ہے۔

شکوۂ ظلمت شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

جہاں فارغ البال اور فارغ الاوقات صاحبان مسند و دستار اپنے ہی اسلاف کی خدمات کو منظر عام پر لانے کے لیے وقت نہ نکال پائیں وہاں اگر ایک "ملازمت پیشہ" شخص مذہبی اور مسلکی خدمات کے لیے وقت نہ نکال پائے تو اس میں چنداں تعجب کی بات نہیں ہے، اس لیے کہ کسی شخصیت کے ساتھ "ملازمت" کا لاحقہ خود سراپا معذرت بن کر انگشت نمائی کے سارے مواقع ختم کر دیتا ہے، مگر اللہ رے حوصلوں کی بلندی! کہ ایک کمپنی میں ملازم ہونے کے با وجود بقول ڈاکٹر انوار بغدادی : " جناب بشارت صاحب مذہبی کاموں کی مشین بنے ہوئے ہیں "۔ دراصل صدیقی صاحب کے اندر اپنے مشائخ کو لے کر ایک اضطرابی کیفیت پائی جاتی ہے ، لیکن ان کا یہ اضطراب تأسف کے بجائے جنون کی شکل اختیار کر گیا ہے اور کہتے ہیں کہ اگر جنون کسی تحریک کا باعث بن جائے تو تاریخ معرکوں سے پر نظر آتی ہے ۔ صدیقی صاحب کا اضطراب توانائی کی صورت میں ظاہر ہوا جسے بروے کار لا کر وہ "اپنے حصے کی شمعیں" جلانے میں لگے ہوئے ہیں زیر نظر مجموعہ "معارف مخدوم اشرف" ایک تازہ شمع ہے جسے ان کی پاکیزہ فکر نے "بزم اشرفی" میں فروزاں کرکے اپنی عقیدت کے اجالے بکھیرے ہیں۔

"معارف مخدوم اشرف" کی جمع و ترتیب میں کس قدر عرق ریزی اور جانفشانی سے کام لیا گیا ہے اس کا صحیح اندازہ تو اس مجموعہ کے مطالعہ کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے ۔ صدیقی صاحب کے ذوق سلیم اور حسن انتخاب نے تحقیق و تدقیق ، عقیدت و محبت ، تاریخ و تنقید، نظریات و تعلیمات مختلف جہتوں سے قدوۃ السالکین ، امام الکاملین حضرت مخدوم جہاں گیر اشرف سمنانی رضی اللہ عنہ کی حیات سے جڑے گوشوں پر اہل علم و دانش کی نگارشات کو خاص قرینے سے سجا کر پیش کیا ہے ، جس کا ارتکاز اس فکر پر دکھائی دیتا ہے کہ مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو ان کی کرامات کے تناظر میں پیش کرنے کے بجائے علم و تحقیق کی سطح پر پیش کیا جائے۔ اس لیے کہ اول الذکر منہج عقیدت کیشوں کی بزم میں تو خوب پزیرائی بٹور سکتا ہے مگر اہل تحقیق کے یہاں یہ طریقہ بالکل محدود شمار کیا جاتا ہے جو عالمی سطح پر کسی شخصیت کے تعارف اور ان کے نظریات کے فروغ کا نہ حوالہ بن سکتا ہے اور نہ کوئی قابل قدر کردار ادا کر سکتا ہے ۔ صدیقی صاحب نے اپنے مجموعہ کی اساس اسی فکر پر رکھی ہے جس میں وہ بہت حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔

زیر نظر مجموعہ چار ابواب پر مشتمل ہے جس کے تحت گراں قدر نگارشات ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کی گئی ہیں جن کا مطالعہ ذہن و فکر کے دریچے کھولتا ہے ۔ مندرجہ ذیل سطور میں چیدہ چیدہ مقالات و نگارشات کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرنے کی ناقص کوشش کی گئی ہے ۔

باب: حیات مخدوم اشرف

1 : اس باب کے تحت پانچ وقیع تحریریں شامل کی گئی ہیں جس میں پہلی دو تحریریں: "غوث العالم مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی حیات و خدمات — ایک نظر میں" اور " آئینہ حیات جانشین مخدوم اشرف —— سید عبد الرزاق نور العین جیلانی کچھوچھوی" محب گرامی علامہ بشارت صدیقی صاحب کی ہیں ۔ حضرت مولانا عبد الخبیر مصباحی نے اگرچہ ان تحریروں کو "مقالے" کا نام دیا ہے تاہم اگر انہیں "سوانحی زائچہ" کہا جائے تو بہتر ہوگا، اس لیے کہ "مقالے" کی اپنی مخصوص ہیئت اور ساخت ہوتی ہے جب کہ مذکورہ تحریریں اس ساخت پر نہیں ہیں ۔ صدیقی صاحب کی یہ دونوں تحریریں " مخدومی تاریخ" پر ان کی پینی اور عمیق نظر کی غماز ہیں ، مخدودم اشرف سمنانی رضی اللہ عنہ کی حیات و سوانح اور ان سے جڑے واقعات و حوادث کو لے کر اچھا خاصا اختلاف پایا جاتا رہا ہے جو قاری کے اندر عدم اطمینان کی کیفیت پیدا کرتا ہے ، صدیقی صاحب نے محققین کی تحقیق سے استفادہ کرتے ہوئے چھان پھٹک کر واقعات و کوائف کو درست تاریخوں کے ساتھ " نتھی " کرنے کا قابل قدر کام کیا ہے جس سے ان تمام الجھنوں کا ازالہ ممکن ہو گیا جو ابھی تک محققین کو ہوتی رہی ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ پروفیسر اسلم صاحب نے اپنے مضمون میں بھی کیا ہے اور مخدوم سمناں پر قلم اٹھانے والی نئی نسل پرانی غلطیوں کو دہرانے کے بجائے درست تاریخوں کی روشنی میں مخدومیات پر کام کر سکے گی۔

2 : بقول صاحب تاریخ دعوت و عزیمت "ہندوستان میں اسلام کی جو کچھ بہاریں ہیں وہ سب مشائخ چشت کی رہین منت ہیں "۔ چشتی بزرگوں نے ہندوستان کے گوشے گوشے میں جس جانفشانی ، حکمت اور جرأت کے ساتھ اسلامی تعلیمات کو عام کیا، کلمۂ حق کو سربلندی بخشی اور مشرکانہ ماحول میں توحید و رسالت کے گل بوٹے کھلائے وہ تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے جس پر قیامت تک اسلامیان ہند ناز کرتے رہیں گے ، مگر افسوس کہ اپنے اپنے عہد میں اسلام و سنیت کی تاریخ ساز خدمات انجام دینے والے ان مشائخ چشت میں اکثر شخصیات زمانہ کی اتھل پتھل اور بے اعتنائیوں کی دبیز پرت میں کہیں دب کر رہ گئیں اور اب ان کی ہمہ گیر علمی ، تبلیغی ، فقہی اور اصلاحی خدمات تو دور خود ان کی حیات کے ابتدائی نقوش تک کا پتہ نہیں چلتا اور جن کے تذکرے ملتے بھی ہیں تو اس میں تاریخی لحاظ سے اس قدر لاپرواہیاں راہ پا گئی ہیں جو سوانح کے اچھے خاصے حصے کو شک کے دائرے میں لے آتی ہیں۔ مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کی ہمالیائی شخصیت بھی اس مجرمانہ بے توجہی کا شکار ہوئے بغیر نہ رہ سکی ، جس کی سنگینی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سلسلۂ چشتیہ کے عظیم روحانی بزرگ مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی رضی اللہ عنہ ، جن کے فیضان کرم سے پورا بر صغیر نہار رہا ہے ، ایک زمانے تک ان کے سوانح نگار ان کی پیدائش و وفات کی تاریخ تک متعیّن نہیں کر پائے اور اس ایک کمی نے آپ سے منسوب بہت سے واقعات کو لے کر ذہن و فکر میں الجھنیں پیدا کر دیں۔ بلکہ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ : " آپ کی سنہ ولادت کا ذکر کسی سوانح نگار نے نہیں کیا" (معارف : ۹۱)۔

پروفیسر سید وحید اشرف صاحب نے اپنے مضمون "تاریخ پیدائش و وفات سید اشرف جہاں گیر سمنانی" میں مخدومیات کے حوالے سے اس تاریخی خلا کو پر کرنے کی لائق صد آفریں کوشش کی ہے۔ ان کا مقالہ کئی جہت سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے ، مضمون پڑھنے کے بعد بغیر کسی مبالغہ آرائی کے کہا جا سکتا ہے کہ مخدومیات کے باب میں ڈاکٹر صاحب کی تحقیق و معلومات تقلید کے دائرے سے نکل کر اجتہاد کی منزل پر پہنچی ہوئی ہے ، وہ دیگر سوانح نگاروں کی طرح آنکھ بند کر کے پیچھے چلنے کے قائل نہیں ہیں بلکہ متقدمین کے مکمل احترام کے ساتھ تشفی بخش دلائل کی روشنی میں قدم آگے بڑھاتے ہیں اور جو نظریہ قائم کرتے ہیں اس کی پشت پر حوالوں کا اتنا مضبوط ہاتھ ہوتا ہے کہ ان کے نظریہ سے اختلاف کی گنجائش تقریباً ختم سی ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر سید وحید اشرف صاحب کی اس تحقیقی کاوش کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ انہوں نے مخدومیات پر خامہ فرسائی کرنے والے سوانح نگاروں کے مابین ایک صدی سے چلے آ رہے "تاریخی مفروضے" کو چیلنج کیا ہے اور مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کی پیدائش و وفات کی جن تواریخ پر ایک صدی سے "اجماع و اتفاق" چلا آ رہا تھا ، انہیں تحقیق کی سطح پر لا کر زبردست دلائل اور ٹھوس شواہد کے ساتھ ٹکر دی ہے ، ان مؤرخین میں ایک نام مشہور مؤرخ مفتی غلام سرور لاہوری کا بھی ہے ، جنہوں نے "خزینۃ الاصفیا" میں مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات ۸۰۸ھ درج کی ہے۔ یہاں ضمناً ہم یہ عرض کر دیں کہ مفتی غلام سرور لاہوری کی کتاب "خزینۃ الاصفیا" خاصی معروف اور صوفیا کی تاریخ پر ایک مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے ، خزینۃ الاصفیا کے مترجم مفتی محمود عالم ہاشمی لکھتے ہیں :

"خزینۃ الاصفیا" یہ صوفیاے اسلام کا ایک مستند تذکرہ ہے جس پر دنیاے تاریخ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی ، اس دور میں بزرگان دین کے جتنے تذکرے یا سوانحی حالات مختلف انداز میں اہل ذوق کی تشنہ کامی کو تسکین بخشتے رہے ہیں وہ اسی " خزینہ" کے جواہر پارے ہیں ۔ یہ مستند تذکرہ تمام تذکرہ نگاروں کے سامنے رہا اور اسی بنیاد پر اہل قلم اپنے اسلوب تحریر کی عمارتیں کھڑی کرتے گئے"
(خزینۃ الاصفیا، ص:۳۶، گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۴۱۰ھ)

اس اقتباس کی روشنی میں بخوبی یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مفتی غلام سرور لاہوری کی مستند کتاب "خزینۃ الاصفیا" میں مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی کی جو تاریخ وفات متعیّن کی گئی تھی بعد کے تمام سوانح نگار اسی پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی تحقیق کی عمارتیں کھڑی کرتے گئے اور یوں ایک صدی تک یہی مانا اور لکھا جاتا رہا کہ آپ کی

تاریخ وفات "۸۰۸ھ" ہے۔ مگر کسے معلوم تھا کہ ایک صدی کے بعد خود خانوادۂ اشرفیہ میں ایک ایسا محقق پیدا ہوگا جو "خزینۃ الاصفیا" کے بجائے خود اپنی تحقیق کی بنیاد پر ایسی شاندار عمارت کھڑی کرے گا کہ اس کے بعد مؤرخین ہمیشہ کے لیے اپنے فکری قبلہ کا رخ "خزینۃ الاصفیا" سے پھیر لیں گے اور یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ: "ڈاکٹر سید وحید اشرف نے تاریخ پیدائش و وفات دونوں کے متعلق فیصلہ کن بحث کی ہے" ۔ (یحییٰ انجم، معارف ص: ۹۱)۔

مستند مؤرخین کے درمیان چلے آ رہے "صد سالہ مفروضے" کو چیلنج کرنا جس تعمق نظری، بالغ نگاہی اور تحقیقی غواصی کا تقاضا کرتا ہے وہ اہل دانش سے پوشیدہ نہیں ہے، ڈاکٹر سید وحید اشرف دام ظلہ کے اندر یہ ساری خوبیاں تحریکی شکل میں یکجا نظر آتی ہیں جنہیں بروے کار لاکر انہوں نے مخدومیات کی زمین پر تحقیق کے گل بوٹے کھلائے اور ایک صدی سے چلے آ رہے تاریخی عقدوں کی خوبصورتی سے گرہ کشائی فرمائی ہے۔ بلا شبہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے رت جگوں اور جگر کاوی سے مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کی پیدائش و وفات پر تحقیق کو نقطۂ کمال تک لے جاکر حرف آخر کی منزل پر پہنچا دیا ہے۔ خداے وحدہ لاشریک صحت و تندرستی کے ساتھ ان کا سایہ تادیر قائم رکھے۔ آمین

3 : ڈاکٹر یحییٰ انجم مصباحی اور ڈاکٹر ابو عاصم اعظمی جماعت اہل سنت کی انتہائی معروف اور قرطاس و قلم کی دنیا کی جانی مانی شخصیتیں ہیں۔ دونوں حضرات نے شرح و بسط کے ساتھ مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کی حیات و خدمات پر لکھا ہے اور خوب لکھا ہے، دونوں مقالے: "سلسلہ چشتیہ اشرفیہ کے بانی حضرت سیدنا مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی" اور "بانی سلسلہ اشرفیہ چشتیہ —— قدوۃ الکبریٰ مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی" روایتی اسلوب کے آئینہ دار ہیں، بہت قرینے سے واقعات کو سجایا گیا ہے، دونوں مقالات میں معلومات کی پیش کش اور ترتیب میں ایک حد تک یکسانیت ہے تا ہم ڈاکٹر ابو عاصم اعظمی صاحب نے ہندوستان کے مختلف خطوں میں مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کے روحانی اور تبلیغی اسفار پر کچھ تفصیل سے لکھا ہے جس کے تناظر میں ہندوستان کے طول و عرض میں اشرفی فیضان کی وسعت و ہمہ گیریت اور مشائخ چشت کی زمینی خدمات کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

باب: نظریات، تعلیمات و تعلقات مخدوم اشرف:

اس باب کے تحت چودہ گراں قدر مقالات کو جگہ دی گئی ہے جنہیں مختلف ادوار میں اہل سنت کی قدآور شخصیات نے تحریر فرمایا تھا جب کہ کچھ مقالات معاصر اہل قلم کے بھی ہیں جن کے ذریعہ مخدومیات کے باب میں نئے گوشوں اور زاویوں کا اضافہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ باب کے تحت شامل نگارشات کا مقصد مخدوم سمناں رضی اللہ کی تعلیمات، عقائد، نظریات اور ان کے علمی، فکری اور روحانی رجحانات کو تفصیل سے پیش کرنا ہے جس سے صوفیا کے منہج و مزاج اور ان کی آفاقی فکر کا پتہ لگانا آسان ہو جاتا ہے۔ ایک بات اور، اس وقت پوری انسانی برادری کے سامنے سب سے بڑا چیلنج "انتہا پسندی" کا ہے جو نسل و علاقے سے ہوتے ہوئے مذہب و مشرب تک اپنے پیر پھیلا چکی ہے، عالمی سطح پر جس کے منحوس اثرات "دہشت گردی" کی شکل میں نکل کر سامنے آئے ہیں جب کہ داخلی سطح پر آپسی ناچاقیوں، اختلافات اور عدم برداشت کی صورت میں اس کے نتائج سے معاشرے کا تانا بانا بری طرح بکھراؤ کا شکار ہے، ایسے حالات میں صوفیا، مشائخ اور اہل اللہ کی تعلیمات، نظریات اور ان کے پر امن افکار کی معنویت مزید بڑھ جاتی ہے "معارف مخدوم اشرف" کا یہ باب اسی ضرورت و احساس کا عکاس ہے۔

4 : جناب ڈاکٹر شاکر حسین صاحب کی تحریر "مراتب توحید —— سلطان و سید اشرف جہاں گیر سمنانی کے افکار کی روشنی میں" کو باب میں سر فہرست رکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مقالے میں اختصار سے کام لیا ہے، توحید کے چار مراتب کے تحت مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کے صرف اقوال نقل کرنے پر اکتفا کی گئی ہے، پورے مرحلے میں ڈاکٹر صاحب نے موضوع کی حساسیت کے پیش نظر کسی قسم کے تبصرہ یا تجزیہ سے اپنے قلم کو دور رکھا ہے، مقالہ ختم ہو جاتا ہے مگر قاری کے اندر تشنگی کا احساس باقی رہتا ہے۔

5 : صوفیا اور اللہ والوں کا اصل میدان اصلاح نفس اور تزکیہ باطن ہے جس کے لیے انہوں نے اپنی پوری زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف کر دیا، دینی انحراف، فکری الحاد، لادینیت اور معاشرے میں اخلاقی تنزل اور غیر انسانی اقدار و روایات کی اصلاح کے لئے میں ان کی خدمات نے گہرے نقوش ثبت کیے ہیں جسے تاریخ نے اپنی یادداشت میں سجو کر رکھا ہے۔

صوفیا اور تصوف کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ نظریاتی سطح پر صوفیا نے حالات اور زمانے کے لحاظ سے اپنی سرگرمیوں اور اصلاحی تحریکوں کے خاکے اور نصاب مرتب کیے ہیں۔ ایک زمانے تک صوفیا کے یہاں امرا، سلاطین، اہل ثروت اور شاہان وقت سے راہ و رسم کو نہ صرف معیوب بلکہ تصوف کی روح کے خلاف سمجھا جاتا رہا اور اس نظریہ پر اتنی سختی سے عمل ہوا کہ ہر شیخ اپنے مرید کو یہ وصیت کرتا کہ اگر تم راہ سلوک میں قدم آگے بڑھانا چاہتے ہو تو اپنے دامن کو بادشاہوں، وزرا اور سلاطین کی صحبت سے بچا کر رکھو۔ اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ "مشائخ چشت" کے یہاں کافی شدت سے عمل کیا اور کرایا گیا، بادشاہوں اور سلاطین وقت سے مشائخ چشت کی لاتعلقی، ان سے گریز اور بے نیازی کس حد تک پہنچی ہوئی تھی اس کی تصویر کشی کرتے ہوئے عرب دنیا کے مشہور ادیب استاد علی بن مصطفیٰ طنطاوی لکھتے ہیں:

"ان السلطان شمس الدین الالتمش الذی دانت له البلاد کلها (و کان فی القرن السابع الهجری) و خضع له ملوك الهند جمیعاً کان یستاذن علیٰ الشیخ بختیار الکعکی فیدخل زاویته و یسلم علیه تسلیم المملوك علیٰ الملك و لا یزال یکبس رجلیه و یخدمه و یذرف علیٰ قدمیه حتیٰ یدعو له الشیخ و یأمره بالانصراف. و ان علاء الدین الخلجی اکبر ملوك الهند فی زمانه استاذن الشیخ نظام الدین البدایونی فی ان یزوره فلم یاذن له الشیخ"

ترجمہ: سلطان شمس الدین التمش جیسا بادشاہ کہ ہندوستان اور ہندوستان کے تمام بادشاہ جس کے زیر نگیں اور ماتحت تھے، بایں شان و شوکت خواجہ قطب پاک رضی اللہ عنہ سے بارگاہ میں حاضری کی اجازت طلب کرتا، اجازت ملتی تو آپ کی خانقاہ میں حاضر ہوتا، غلامانہ انداز میں سلام پیش کرتا پھر بیٹھ کر خدمت کرتا، پیر دباتا رہتا اور دوسری طرف نظر عنایت کے لیے شیخ کے قدموں پر آنسو بہاتا، یہاں تک کہ شیخ اس کے حق میں دعا فرماتے اور واپس جانے کا اشارہ کر دیتے۔ علاء الدین خلجی، جو اپنے وقت میں ہندوستان کا سب سے عظیم بادشاہ تھا، ایک مرتبہ اس نے خواجہ نظام الدین دہلوی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضری اور زیارت کی اجازت مانگی تو خواجہ صاحب نے علاء الدین خلجی کو ملاقات تک کی اجازت نہیں دی۔ (مختارات، الجزء الاول ص:۱۷۶)

مگر بعد کے ادوار میں ان اصولوں میں کچھ نرمی برتی گئی اور بنیت اصلاح بادشاہوں سے روابط و تعلقات کو جائز رکھا گیا۔ ڈاکٹر سید محی الدین اظہر صاحب کا وقیع مضمون: "مخدوم جہاں کا نظریہ سیاست" مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کی سیاسی بصیرت، ملکی نظم و نسق میں آپ کے گہرے تجربات و بالغ نظری کے ساتھ ساتھ مشائخ چشت کے یہاں ہونے والی اسی نظریاتی تبدیلی پر روشنی ڈالتا ہے۔ مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ صوفیا کے عام رجحان اور مشائخ چشت کے قدیم سیاسی نظریات کے برخلاف امرا و سلاطین سے تعلقات کو نہ صرف مناسب بلکہ عین حکمت سمجھتے تھے، ان کا مطمح نظر یہ تھا کہ اگر بادشاہوں اور سلاطین سے صوفیا کنارہ کش رہیں گے تو اس کا نتیجہ امت کے حق میں بہتر نہیں ہوگا، اس لیے ضروری ہے کہ امرا و سلاطین سے تعلقات بحال رکھے جائیں تاکہ عشرت کدوں میں داد عیش دینے والے ان بادشاہوں کی اصلاح کی کوئی سبیل نکالی جا سکے اور پھر ان کے اندر اسلامی فکر کا احیا کر کے مملکت میں عدل گستری اور مذہبی اقدار کے فروغ کی راہ ہموار کی جائے۔ بہر حال زیر نظر مقالہ میں مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کے سیاسی نظریات پر نپی تلی گفتگو کی گئی ہے۔

6 : شیخ اکبر محی الدین ابن العربی قدس سرہ عالم تصوف و معرفت کی سب سے مشہور شخصیت ہیں اور جس قدر ان کی شہرت

ہے اسی قدر وہ متنازع فیہ بھی ہیں، جس کی وجہ ان کی طرف سے پیش کردہ نظریہ "وحدۃ الوجود" کو مانا جاتا ہے۔ شیخ اکبر کے نظریۂ وحدۃ الوجود کی موافقت و مخالفت میں جس قدر لکھا گیا شاید ہی صوفیہ کے کسی اور نظریہ یا تصور پر اس قدر لکھا اور بولا گیا ہو، کہتے ہیں کہ وحدۃ الوجود کا تصور شیخ اکبر کے عرفانی اور وجدانی فکر کا زائیدہ نہیں ہے بلکہ صوفیا، اہل اللہ اور سالکین کے یہاں اس کا تصور قدیم زمانے سے ہی رہا ہے جس کا غیر ارادی اظہار بعض صوفیہ مثلاً حضرت منصور حلاج اور بایزید بسطامی کی زبان سے ہوا ہے، شیخ اکبر کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے خالص عرفانی مسئلہ کو الفاظ کے قالب میں ڈھال کر اس کی فلسفیانہ توضیح و تشریح پیش کر کے اسے توحید کی حقیقت، اساس اور جوہر کی صورت میں پیش کر دیا۔ مگر خالص ایک "کیفیت"، جس سے سالک کو خاص مقام پر پہنچ کر سابقہ پڑتا ہے، اس کی لفظیاتی تعبیر اس قدر سنگین ثابت ہوئی کہ جس نے پورے عالم اسلام میں نا تھمنے والے اختلاف و بحث کا دروازہ کھول دیا۔

اگر بات صرف اس نام نہاد عقل پرست اور ظاہر بیں فرقے کی ہوتی جو تصوف کو "چنیا بیگم" اور "افیون" کہہ کر اسے اسلام و سنت سے متصادم فکر کے روپ میں دیکھتا ہے تو چنداں تعجب کی بات نہیں تھی مگر خود اہل سنت میں نظریۂ وحدۃ الوجود کی تعبیر و تشریح اور مخالفت و حمایت میں علما و صوفیا دو حلقوں میں تقسیم ہو گئے جس میں ایک جماعت نے وحدۃ الوجود کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ اسے خالص توحیدی نظریہ قرار دیا تو دوسری جماعت نے اس نظریہ کا ڈانڈا "ویدانت" اور "تثلیث" سے جوڑ کر اسے مسترد اور ناقابل قبول مانا، آگے چل کر یہ اختلاف ایک دوسرے کی تفسیق و تضلیل سے تکفیر تک جا پہنچا۔ وحدۃ الوجود کی حمایت و مخالفت میں کس قدر توانائیاں صرف کی گئیں اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے شیخ اکبر کے عہد سے لے کر اب تک تقریباً ۱۹۰ کتابیں اور ۶۸ مقالات مختلف زبانوں میں اس مسئلہ کی تعبیر و تشریح اور رد و تردید میں لکھے جا چکے ہیں جس کا ایک تفصیلی اشاریہ محب گرامی علامہ بشارت صدیقی صاحب نے بڑی عرق ریزی سے تیار کیا ہے۔

یہاں پہنچ کر ہم "فصوص الحکم" کی دو چند عبارتیں قارئین کے مطالعہ کی نذر کرنا چاہتے ہیں جس میں شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رضی اللہ عنہ نے وحدۃ الوجود کی تشریح اور توضیح خود فرمائی ہے، چناں چہ لکھتے ہیں:

"اگر چہ مخلوق بظاہر خالق سے الگ ہے لیکن باعتبار حقیقت خالق ہی مخلوق اور مخلوق ہی خالق ہے، یہ سب ایک ہی حقیقت سے ہیں، نہیں بلکہ وہی حقیقت واحدہ اور وہی ان سب حقائق میں نمایاں ہے"

"کائنات کا وجود خالق سے علاحدہ نہیں، سمندر کی لہریں سمندر سے ایک نظر آتی ہیں لیکن یہ فریب نظر ہے، اللہ زندگی کا سمندر ہے جس سے یہ ایک کائنات لہروں کی طرح ابھری، نام جدا سہی لیکن حقیقت ایک ہے"۔ (فصوص، ص: ۱۱۴، ۷۶، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۹ء)

بظاہر یہ عبارتیں اور الفاظ رونگٹے کھڑے کر دینے والے ہیں جس کی صحیح تاویل اور مناسب توضیح تلوار پر چلنے کا کام ہے، شبلی نعمانی مسئلہ کی نزاکت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ مسئلہ (وحدۃ الوجود) اگر چہ تصوف کا اصل موضوعہ ہے لیکن اس کی تعبیر اس قدر نازک ہے کہ ذرا بھی انحراف ہو تو یہ مسئلہ بالکل الحاد سے مل جاتا ہے" (سوانح مولانا روم، ص: ۱۴۰، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۱۰ء)

اسی نزاکت کا نتیجہ ہے کہ جو صوفیا اور علما حضرت محی الدین ابن العربی کے پیش کردہ نظریہ کی تہ تک پہنچ گئے اور اس فلسفہ کو اس کی حقیقی روح کے ساتھ سمجھ لیا انہوں نے ابن العربی کو "شیخ اکبر" کے لقب سے یاد کیا، اور جن کی نگاہیں الفاظ کے پیچ و خم اور ان کی ظاہری ہیئت میں الجھ کر وحدۃ الوجود کے فلسفہ کو نہ سمجھ سکیں انہوں نے یہ فتویٰ صادر کیا کہ:

"من اعتقد حقیقة عقیدة ابن العربی فھو کافر بالاجماع بغیر النزاع". ترجمہ: جو ابن العربی کے عقیدے کو درست سمجھے وہ بالاجماع بغیر کسی اختلاف کے کافر ہے (الرد علی القائلین بوحدۃ الوجود، ملا علی القاری، ص: ۱۵۴/۱۵۵، دار المامون

للتراث، بیروت، ۱۹۹۵ء)

بہر حال جمہور صوفیا کے یہاں اس نظریہ کو تلقی بالقبول حاصل ہے ، مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کی شخصیت بھی اس نظریہ کی زبردست حمایت کرنے والوں میں شمار کی جاتی ہے حضرت49سید ڈاکٹر وحید اشرف صاحب دام ظلہ نے اپنے دونوں مقالات: ”قرآن اور وحدۃ الوجود سید اشرف جہاں گیر سمنانی کے نقطۂ نظر سے“ اور ”ابن عربی، شیخ علاء الدولہ سمنانی، سید محمد گیسو دراز اور وحدۃ الوجود“ میں بہت تفصیل سے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ سید صاحب دام ظلہ جس موضوع پر لکھتے ہیں اس موضوع کے تمام گوشوں پر ان کی یکساں نظر ہوتی ہے جنہیں سامنے رکھ کر وہ بہت خوبصورتی کے ساتھ معاملہ کی تہ میں پہنچتے ہیں اور صحیح نتائج اخذ کر کے پیش کر دیتے ہیں۔ زیر نظر مقالات میں نظریہ وحدۃ الوجود کے تعلق سے مخدوم جہاں کے موقف اور ان کے پیش کردہ دلائل کو جس نفاست کے ساتھ رکھا گیا ہے وہ سید صاحب ہی کا حصہ ہے، صحیح بات یہ ہے کہ ”معارف مخدوم اشرف“ میں شامل آپ کی تمام نگارشات اس مجموعہ کی روح اور جان ہیں۔ دونوں مقالات میں صاف ستھرا اور نپے تلے الفاظ میں موضوع کے تمام امکانی پہلوؤں اور ضروری گوشوں پر بات کی گئی ہے جس میں سب سے خوبصورت بات یہ ہے کہ سید صاحب دام ظلہ بحث کی کسی مرحلے میں اپنی فکر و تعبیر کو حرف آخر قرار دینے کے بجائے سادگی کے ساتھ دوسروں کو اپنی بات رکھنے کی گنجائش باقی رکھتے ہیں اور ان کا یہ وصف ان کی علمی اور تحقیقی قد کو مزید اونچا کر دیتا ہے۔ بہر حال دونوں مقالات کی روشنی میں وحدۃ الوجود پر مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کے نقطۂ نظر اور ان کے عہد کی دو عظیم روحانی شخصیتوں بندہ نواز گیسو دراز اور علاء الدولہ سمنانی کے درمیان اس مسئلہ کی تفہیم و تشریح کے سلسلے میں ہونے والے اختلافات اور اس کی نوعیت کو اچھے سے سمجھا جا سکتا ہے ساتھ ہی ساتھ وحدۃ الوجود کے اثبات میں مخدوم جہاں رضی اللہ عنہ کے باریک قرآنی استدلالات سے ذہن و فکر کو مہکایا جا سکتا ہے۔

7: صوفیا کی زندگی میں ارتکاز ایک لازمی عنصر ہے ، ان کی زندگی کا ایک واضح مقصد ہوتا ہے اور یہی مقصد انہیں ہمیشہ مضطرب رکھتا ہے ، مقصد ہے بندگان خدا کی رہنمائی اور ان کے اندر کی کدورت و نفسانیت کی تطہیر ، صوفیا نے اس کے لیے ”رواداری“ کا مزاج اپنایا ، خشونت و سختی اور بے جا حقارت کے بجائے محبت و پیار کی فضا پیدا کر کے بندگان خدا کو قریب کرنے کی کوشش کی ، وہ جہاں گئے وہاں کی تہذیب و تمدن ، عادات و اطوار اور مخصوص نظریات پر سیدھا وار کرنے کے بجائے اس میں ایسی خوشگوار تبدیلیاں اور ایمانی گوشے شامل کر دیے کہ سامنے والے کو خبر ہی نہیں ہوئی کہ مشرکانہ رسمیں کب کلمہ پڑھ کر ”موحد“ بن گئیں ، صوفیا نے اپنی حکمت سے مشترکہ تہذیبوں کو پروان چڑھایا جس سے دوسری قوموں کے اندر کی وحشت اور جھجھک ختم ہوئی ، انسیت کا ماحول پیدا ہوا اور انہیں قریب کر کے افہام و تفہیم کی راہ ہموار ہوئی۔

ڈاکٹر اسحاق صاحب نے اپنے مضمون ”ہندی مسلم ثقافت کے فروغ میں سید اشرف جہاں گیر سمنانی کا حصہ“ میں مخدوم جہاں کے حوالے سے صوفیا کے اسی مزاج و روایت پر گفتگو کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اس طرح کے عنوانات بین الاقوامی سطح پر کافی اہمیت اور توجہ سے پڑھے جاتے ہیں جس سے صوفیا کی فکری اور مزاجی جہتوں کا پتہ چلتا ہے ، ان کی خدمات ، ہم آہنگی ، انسان دوستی اور مذہبی رواداری پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔ عنوان کی اس قدر اہمیت کے باوجود یہ ناصبور نگاہیں زیر نظر مقالے میں عنوان کی مناسبت سے تسلی بخش مواد تلاش نہ کر سکیں۔ یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

”سید اشرف جہانگیر سمنانی نے ہندی اسلامی ثقافت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا، انہوں نے اخلاقیات اور تصوف پر اردو زبان کی تاریخ کا سب سے پہلا رسالہ تصنیف کیا، ان کی ذات سے سماج کا ہر طبقہ سلاطین ، امرا، آزاد و غلام و علما، صوفیا، مسلم و غیر مسلم ، مرد اور عورتیں سبھی متاثر ہوئے ، انہوں نے ہندوستانی سماج کو سمنانی تاج بادشاہت پر ترجیح دی اور ہندوستانی سماج نے انہیں ایسا

اپنایا کہ ان کا نام اور ان کی خانقاہ آج بھی زائرین کے لیے بے حد کشش رکھتی ہے" (معارف ص:۱۹۵)

اگر مندرجہ بالا اقتباس کو مقالے سے نکال دیا جائے تو باقی جو بچتا ہے وہ ان کی محض سوانح حیات اور اس سے جڑے چند واقعات ہیں جب کہ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس پر مزید محنت ، گہرائی اور تلاش سے لکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جس پر از سر نو اہل قلم کو لکھنے کی دعوت دی جا سکتی ہے۔

8 : مخدوم جہاں گیر اشرف سمنانی رضی اللہ عنہ کی ہمہ گیر شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو ان کی روحانیت ، تصوف ، تزکیہ ، تصفیہ اور تطہیر باطن سے متعلق ہے ، اس پہلو کو سامنے رکھا جائے تو بلا شبہ ان کی ذات سے منسوب علمی مجموعہ میں تحقیقی و تاریخی نگارشات کے ساتھ ایسی تحریروں کو بھی شامل کیا جانا ضروری ہے جن سے قاری کو روحانی غذا فراہم ہو، عقیدت و محبت کے تار بجیں ، ارادت کی جڑیں دلوں کی زمین پر مستحکم ہوں اور پورا وجود اولیا کی محبت میں نہا جائے ۔ محدث اعظم ہند سرکار سید محمد اشرف جیلانی رضی اللہ عنہ کا مبارک و پر نور مضمون " شیخ العالم علاء الحق گنج نبات لاہوری پنڈوی " معارف کے اسی روحانی گوشے کو منور کر رہا ہے۔

یہ مقالہ نہیں تزکیہ قلب و باطن کا سامان ہے ، سطر سطر سے معرفت و ادب اور اخلاص و نور کے سوتے پھوٹ رہے ہیں، مضمون کے جلو میں عقیدت و احترام ، اللہ والوں کی سطوت و جلالت ، مخدوم جہاں گیر سمنانی رضی اللہ عنہ کے مرشد ، سرکار پنڈوہ کے عالمگیر تصرفات اور ان کی روحانی تسخیر کا بے حجاب مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ میں اپنے ذاتی تجربہ کی روشنی میں دعویٰ کی حد تک یہ کہہ سکتا ہوں کہ جو شخص اللہ والوں سے اپنی عقیدت و تعلق میں استحکام اور ان کے فیضان سے قلب و نظر اور اپنی حیات مستعار کے تمام گوشوں کو نور سے بھر دینا چاہے وہ وضو علیٰ الوضو کر کے سرکار محدث اعظم ہند رضی اللہ عنہ کے اس مضمون کو پڑھے اور حرز جاں بنا کر اس کی قرأت کو اپنا وظیفہ بنا لے۔

مذکورہ تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ ادبی جہت سے مقالہ محدث اعظم ہند رضی اللہ عنہ کی عمدہ نثر نگاری کا اعلیٰ نمونہ ہے ، الفاظ کا انتخاب ، واقعات و جذبات کی منظر کشی ، انداز کا بانکپن اور تعبیر کی نفاست مقالے کی ادبی اہمیت کو دو بالا کر رہے ہیں ، ایک اقتباس دیکھیں:

" حضرت باہر جانے لگے کہ ملک الموت علیہ السلام کو بلائیں کہ ایک مجسمہ حیا و تصویر شرم ہستی قدم سے لپٹ گئی اور زار زار رونے لگی ، حضرت نے فرمایا کہ یہ کون ہے ؟ آپ کی زوجہ نے فرمایا کہ یہ آپ کی بہو ہے ؟ فرمایا: کیا کہتی ہے ؟ عرض کیا کہ حضور ! یہ آہ و زاری کر رہی ہے کہ مجھ بے خطا کو کس جرم کی سزا دی گئی ہے ؟ اگر مولانا نور کی موت ہی پسند خاطر تھی تو ایک دن پہلے بھی ممکن تھا یا آج ہی موت آتی مگر مجھ کو عقد نکاح میں نہ لایا جاتا ، کسی کا نہ کچھ بنے گا نہ بگڑے گا مگر میری تقدیر ان کی موت سے ہمیشہ کے لیے بگڑ جائے گی ، مجھ دکھیاری کا ستانا شان کرم سے بعید ہے " (معارف ص:۲۱۶)

بہر حال مقالے کا اپنا الگ ہی رنگ ہے جس کے مطالعہ کے دوران قاری ان تمام جذبات سے گذرتا ہے جو اسے اولیا سے عقیدت اور قلبی لگاؤ کی منزل تک لے جاتے ہیں نتیجتاً طاق دل میں محبتوں کے چراغ روشن ہوتے ہیں اور نور کے آبشار سے قاری کا پورا وجود سرابور ہو کر ستھرا ہو جاتا ہے۔

9 : علمی دنیا میں علامہ عبد الخبیر مصباحی کا نام محتاج تعارف نہیں ، وہ قرطاس و قلم کے حوالے سے اپنی الگ شناخت اور خاصی شہرت رکھتے ہیں "معارف مخدوم اشرف " میں انہوں نے ایک منفرد موضوع پر قلم اٹھا کر قلمی پختگی ، مزاج کی جستجو اور تحریکی طبیعت کا پتہ دیا ہے ۔ مصباحی صاحب کی اپنی رائے کے مطابق جس کا اظہار انہوں نے " ابتدائیہ " میں کیا ہے زیر نظر مضمون " مخدوم اشرف جہاں گیر کی اویسی نسبتیں " اس جہت سے اہمیت اور خصوصی توجہ کا مستحق ہے کہ اس سے پہلے کسی مجموعہ یا کتاب میں اس عنوان پر اتنی تفصیل و تحقیق سے نہیں لکھا گیا ہے (ص:۱۳۰)۔ اس اعتبار سے زیر نظر مقالے کی انفرادیت کو بہر حال تسلیم کیا جانا چاہیے ، تاہم آگے چل کر اپنے مقالے کے متعلق مصباحی صاحب لکھتے ہیں:

" اس مختصر مضمون میں حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی علیہ الرحمۃ کی جن حاصل شدہ نعمتوں اور نسبتوں کا ذکر ہم کرنے جارہے ہیں وہ " اویسی نسبتیں " ہیں، ہماری اپنی معلومات میں حضرت محبوب یزدانی علیہ الرحمۃ کی ان نسبتوں پر اصحاب قلم و قرطاس نے شاید ابھی تک کچھ نہیں لکھا ہے " (معارف51 ص: ۲۴۷)

مصباحی صاحب کا یہ دعویٰ کہ " ابھی تک "کچھ " نہیں لکھا گیا" اس سے ہمیں قدرے اختلاف ہے ، دراصل جس طرح شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وحدۃ الوجود کا تصور تو اہل معرفت میں قدیم زمانے سے موجود تھا مگر شیخ اکبر کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے خالص کیفیاتی چیز کو لفظیاتی کے قالب میں ڈھال کر پیش کرنے کی کوشش کی اسی طرح " اویسی نسبتوں " پر لکھنے کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ محبوب یزدانی کی اویسی نسبتوں پر بلا عنوان بہت کچھ لکھا گیا ہے اور خود معارف میں شامل مضامین میں اختصار کے ساتھ ان تمام واقعات کا احاطہ اہل قلم نے کیا ہے جن سے " اویسی نسبتوں "کا تصور منتزع ہوتا ہے ، تاہم علامہ عبد الخبیر صاحب مصباحی کی جودت طبع اور فکر رسا کا کمال یہ ہے کہ جو بات ابھی تک ضمناً یا جزوی طور پر لکھی جاتی رہی ہے انہوں نے اسے خوبصورت عنوان دے کر مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کی حیات کے مرکزی گوشے سے جوڑنے کی قابل مبارک باد کوشش کی ہے جس کے لیے وہ بہر حال محققین مخدومیات کی طرف سے حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء

10 : علامہ عبد الخبیر مصباحی نے "معارف" میں شامل جن مضامین کو "نوادرات" میں شمار کیا ہے ان میں ایک مضمون " صدر جہاں سید اجمل بہرائچی اور مخدوم اشرف سمنانی ــــــ تعلقات و روابط" بھی ہے جو علامہ اظہار النبی صاحب مصباحی کے سیال قلم کی تخلیق ہے ۔ عنوان کی مناسبت سے مقالے کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ، پہلے حصہ میں صدر جہاں رضی اللہ عنہ کی حیات وخدمات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے جب کہ مقالے کے دوسرے حصے میں مخدوم جہاں اور صدر جہاں رضی اللہ عنہما کے مابین علمی، فکری، تبلیغی اور روحانی تعلقات پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے ۔ علامہ عبد الخبیر صاحب نے مقالے کے متعلق جن نیک جذبات کا اظہار کیا ہے مقالے کا پہلا حصہ پڑھتے ہوئے قاری ان کی رائے سے اتفاق، خود سپردگی اور تسلیم کی منزل تک پہنچ جاتا ہے مگر دوسرے حصے میں قاری کو جن علمی بے احتیاطیوں اور لاپرواہیوں سے سابقہ پڑتا ہے انہیں دیکھنے کے بعد قاری کشمکش کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، خاص طور سے صدر جہاں رضی اللہ عنہ کے نام مخدوم جہاں کے جو مکتوبات نقل کیے گئے ہیں ان کے ترجمے میں سنجیدہ قاری عجب کبیدگی محسوس کرتا ہے اور اختتام پر مقالے کے تئیں "نظر ثانی" کا تصور قائم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، تجزیہ نگار کی یہ چند تنقیدی سطریں اسی مجبوری کا شاخسانہ ہیں۔ اطمینان خاطر کے لیے چند نمونے ملاحظہ کرلیں:

غضب الکریم و ان ناحج نارۂ
کدخان مسك ليس فيها سواد

ترجمہ: غضب کریم اور بے شک اس آگ میں سیاہی نہیں ہے
اور اس کا دھواں مشک کی طرح ہے ۔ (معارف، ص: ۲۷۹)

مذکورہ شعر عربی شاعری کے ضرب الامثال اشعار میں سے ہے جو اصل میں اس طرح ہے:

غضب الكريم و ان تأجج نارهٔ
كدخان عود ليس فيه سواد

مذکورہ شعر میں شاعر، کریم انسان کی خوبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کریم چاہے جتنا ناراض ہو جائے اور اس کے غصہ کی آگ بھڑک اٹھے تاہم اس کا غصہ بالکل عود کے دھوئیں کی طرح ہوتا ہے جس میں سیاہی یعنی ضرر نہیں ہوتا، کریم ناراض ہو کر بھی آپ کی عزت و آبرو اور واقعی حیثیت کو مجروح نہیں ہونے دیتا، بنسبت رذیل شخص کے، اس کے غصے میں ضرر کے بجائے اصلاح کا پہلو ہی ہوتا ہے ، اس تشریح کی روشنی میں شعر کا ترجمہ یوں کیا جا سکتا ہے:

ترجمہ: کریم کے اندر اگر چہ غصہ کی آگ بھڑک اٹھے مگر اس کا غصہ عود کے دھوئیں کی طرح ہے جس میں سیاہی نہیں ہوتی۔

کہیں کہیں تو ایک سنجیدہ قاری یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ کہیں اس کے علمی ذوق کے ساتھ استہزا تو نہیں کیا جا رہا ہے؟ مثلاً مندرجہ ذیل شعر اور اس کا ترجمہ دیکھیں:

یار از اغیار پنہاں خور شراب
کلھم فیھا المشارب یضربون

ترجمہ: اغیار پنہاں سے یار شراب پینے والا ہر ایک اس میں مشارب مارتا ہے۔

شعر کا یوں تو پورا ترجمہ محل نظر ہے تاہم مصرعہ ثانی کا یہ ترجمہ کہ " ہر ایک اس میں مشارب مارتا ہے " پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ قاری کی بصیرت و ذوق کے ساتھ جیسے مذاق سا کیا جارہا ہو جب کہ اس کا سیدھا ترجمہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ:" میخانۂ معرفت میں سب جام پر جام ٹکراتے ہیں"۔ چند نمونے بلا تبصرہ اور ملاحظہ فرمالیں:

نہاں کرد باید ز اغیار راز
و اگر یار باشد مکن در فراز

ترجمہ:

کیوں کہ اغیار سے راز نہاں کیا
و گرنہ یار ہو تو روشن نہ کر

ز گلستاں رو درفشانست نور در مشعل بہشت افروز
نار در منقل گشت فروغ مشعلہ افروز دو درخشاں است

ترجمہ:

نور مشعل میں باغ بڑھانے والا ہوا ہے۔ گلستاں کا چہرہ روشن موتی ہے

نار منقل میں فروغ پاتا ہے ۔دور خشان سے مشعل روشن ہونے والا ہے

مولانا اظہار النبی صاحب مصباحی سے جو لوگ واقف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ترجمہ میں جس طرح کی بے توجہی راہ پاگئی ہے وہ ان کی علمی شخصیت سے لگا نہیں کھاتی۔ راقم بھی ترجمہ دیکھ کر حیرت و افسوس کے ملے جلے جذبات سے گذرے بغیر نہ رہ سکا جس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ جستجو اور تلاش مزید بڑھ گئی اس کے لیے راقم نے "مکتوبات اشرفی" کے ترجمہ شدہ نسخے کی طرف رجوع کرنا مناسب سمجھا۔ محب گرامی، شہباز اشرفی علامہ بشارت صدیقی صاحب سے عرض کیا تو انہوں نے ایک کاپی بذریعہ موبائل ارسال فرمادی۔ "مکتوبات اشرفی" مترجم میں زیر بحث دونوں مکتوبات کا ترجمہ دیکھنے کے بعد مطلع بالکل صاف ہو گیا۔ در اصل مولانا اظہار النبی صاحب نے اپنے مقالے میں جن دو مکاتیب کو نقل کیا ہے انہوں نے اس کا خود سے ترجمہ کرنے کے بجاے سابقہ ترجمے کو من وعن بغیر کسی بحث، غور و فکر اور نظر ثانی کے نقل کر دیا ہے اور ان کے اس ایک "سہو" نے اچھے خاصے علمی مقالے کے مرکزی خیال اور عنوان کے جوہر کو بری طرح متاثر کر کے رکھ دیا۔

اس مقام پر اگر چہ یہ کہ کر گردن چھڑائی جاسکتی ہے کہ " ترجمہ کسی اور کا ہے " تاہم علم و تحقیق کی دنیا میں یہ عذر کس حد تک قبول کیا جاسکتا ہے اس کا فیصلہ ہم ارباب علم و ذوق پر چھوڑتے ہیں؟

11 : شہباز اشرفی علامہ بشارت صدیقی صاحب قلم کے دھنی ہونے کے ساتھ ساتھ معلومات میں گہرائی بھی رکھتے ہیں، ان کی محققانہ طبیعت میں انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھانے کا رجحان دور دور تک دکھائی نہیں دیتا، یہی وجہ ہے کہ وہ پامال موضوعات پر قلم اٹھانے کے بجاے کچھ نیا پیش کرنے کی فکر میں رہتے ہیں زیر نظر مضمون "شاہ عبد اللہ شطار مانڈوی، مخدوم اشرف اور مشرب شطار" ان کی اسی فکر کا خوبصورت حوالہ ہے۔

زیر نظر مقالے میں جستجو، تلاش اور عرق ریزی سے کام لیا گیا ہے، شاہ عبد اللہ شطار مانڈوی اور ان کی حیات کے تمام پہلوؤں کو بہت نفاست کے ساتھ یکجا کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، تمام تاریخی حوالوں کو سلسلہ وار بیان کر کے جس طرح نتائج اخذ کیے گئے ہیں وہ قاری کو ایک خاص کیفیت کا اسیر بنا دیتا ہے۔ مقالہ نگار پورے مرحلے میں بصیرت پر دکھائی دیتے ہیں، وہ پورے اعتماد کے ساتھ مؤرخین کی آرا سے اختلاف بھی کرتے ہیں جسے ثابت کرنے کے لیے ان کے پاس معقول دلیل بھی ہوتی ہے۔ مقالہ نگار

نے تقریباً ۴۷ ماخذ سے استفادہ کرکے مقالے کی نوک پلک کو سنوارا ہے جس سے مقالے کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ مقالہ اپنی تفصیل، معلومات، شطاری مشرب اور اس کے بانی حضرت عبد اللہ شطار کے احوال و کوائف نیز مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ سے ان کے تعلقات پر سیر حاصل روشنی ڈال رہا ہے، مختصر یہ کہ تحقیق و تاریخ دونوں سطح پر مقالہ کامیاب ہے۔

باب تصنیفات مخدوم اشرف:

باب کے تحت پانچ نگارشات کو جگہ دی گئی ہے، جن میں تمام تحریریں علمی، حقائق افروز اور تحقیقی ہیں۔

12: پروفیسر اسلم صاحب نے اپنے مضمون "لطائف اشرفی ــــــ ایک تعارف" میں مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کی حیات سے منسوب کچھ احوال کو لے کر اپنی الجھنوں کا ذکر کیا ہے۔ دراصل تاریخی مصادر اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ نے مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی ہے مگر یہ واقعہ کب کا ہے اس میں مؤرخین کے یہاں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے، ڈاکٹر یحییٰ انجم مصباحی تحریر فرماتے ہیں:

"مخدوم اشرف سمنانی نے مخدوم الملک کی نماز جنازہ پہلے سفر میں پڑھائی یا تیسرے سفر میں اس میں تو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس بات پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ نماز جنازہ آپ ہی نے پڑھائی" (معارف ص:۹۵)

الجھن کی وجہ یہ ہے کہ مؤرخین کی ایک جماعت نے اس واقعہ کو مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کے پہلے سفر کا واقعہ مانا ہے جب کہ ابھی آپ پنڈوہ شریف اپنے شیخ علاء الدین رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں بھی نہیں پہنچے تھے، خود ڈاکٹر یحیی انجم صاحب کا رجحان بھی اسی طرف محسوس ہوتا ہے، اس پر پروفیسر اسلم صاحب اپنی الجھن کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"راقم الحروف کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کے سوانح نگاروں نے دو اسفار کے واقعات کو خلط ملط کر دیا ہے، حضرت اشرف جہاں گیر ۱۳۰۶ء میں پیدا ہوئے اور مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری ۱۳۷۱ء میں فوت ہوئے، اس وقت اشرف جہاں گیر کی عمر پینسٹھ برس کی تھی اور اتنی عمر تک ایک درویش کا بغیر بیعت کے رہنا ناممکن سا نظر آتا ہے" (معارف ص:۳۷۱/۳۷۰)

ڈاکٹر اسلم صاحب کی الجھن بہر حال قابل غور ہے، علامہ بشارت صدیقی صاحب نے چھان پھٹک کر صحیح تاریخوں کا زائچہ تیار کیا ہے جس میں صدیقی صاحب نے ۱۳۳۵ء میں یعنی تقریباً ستائیس سال کی عمر میں حضرت مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کا اپنے مرشد علاء الدین پنڈوی سے بیعت ہونا تحریر کیا ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی ہے کہ مخدوم سمناں نے پہلے سفر میں مخدوم شرف الدین منیری کی نماز جنازہ پڑھائی تھی؟ اور اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو بہر حال معلوم تاریخی حقائق اس کی تردید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، مخدوم سمناں کا، مخدوم الملک (وفات ۱۳۷۱ء) کی نماز جنازہ پڑھانا اہل تحقیق کے مابین مسلم ہے ساتھ ہی ساتھ اس پر بھی اتفاق ہے کہ آپ ستائیس سال کی عمر میں (۱۳۳۵ء) پنڈوہ شریف حاضر ہوکر علاء الحق پنڈوی کے حلقہ ارادات میں داخل ہوئے ان دونوں تاریخی حقیقتوں کو سامنے رکھ کر بہت آسانی سے الجھن کا حل نکالا جا سکتا ہے کہ یہ پہلے سفر کا واقعہ نہیں ہے بلکہ دوسرے یا تیسرے ہی سفر کا معاملہ ہے، سر دست اس موقف کو تسلیم کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا جبکہ اس موقف کی تائید "بزم صوفیا" کے اس اقتباس سے بھی ہو جاتی ہے:

"مخدوم اشرف تیسری بار جب اپنے شیخ کی زیارت کے لیے پنڈوہ جارہے تھے، جب وہ اس سفر میں بہار شریف پہنچے تو حضرت مخدوم الملک شرف الدین یحییٰ منیری کا جنازہ رکھا ہوا تھا، حضرت مخدوم الملک نے وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز وہی پڑھائے جو صحیح النسب سید ہو، تارک سلطنت ہو اور سات قرأتوں کا قاری ہو، یہ تمام شرطیں حضرت اشرف جہاں گیر سمنانی میں موجود تھیں، اس لیے انہوں نے ہی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت حاصل کی" (بزم صوفیا ص:۵۲۲ بحوالہ معارف ص:۹۵)

پروفیسر اسلم صاحب کی دوسری الجھن کا تعلق ۲۷ سال کی عمر میں مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کی بیعت کی روایت سے متعلق ہے،

پہلے پروفیسر صاحب کا مدعیٰ ملاحظہ کرلیں، لکھتے ہیں:

" عبد اللہ خویشگی نے ان کی عمر بیعت کے وقت ستائیس برس لکھی ہے، اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو موصوف ۱۳۳۳ء میں شیخ علاء الدین کے مرید ہوئے اور اس واقعہ کے ۳۸ برس بعد مخدوم شرف الدین احمد فوت ہوئے ۱۳۳۳ء میں ستائیس 5A برس کی عمر میں شیخ علاء الدین کے ہاتھ بیعت سے ایک الجھن پیدا ہوتی ہے کہ اس وقت ان کے مرشد آئینہ ہندوستان اخی سراج (م ۱۳۵۷) ہنوز بقید حیات تھے اور پورے ہندوستان میں ان کی ولایت کا ڈنکا بج رہا تھا، حضرت اشرف جہاں گیر کو ان کی بیعت کرنا چاہیے تھی "(معارف ص:۱۷۳)

اس پر عرض ہے کہ پروفیسر صاحب کی یہ الجھن ان کی ذاتی الجھن ہے جس پر مؤرخین ان کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ در اصل جس چیز کو یہاں "الجھن" کا عنوان دیا جا رہا ہے وہ ایسی تاریخی حقیقتیں ہیں جن کا ثبوت صوفیا اور اہل ارادت کے یہاں بکثرت ملتا ہے۔ شیخ کے ہوتے ہوئے شیخ کے خلفیہ سے بیعت و ارادت کا تعلق ہو جانا صوفیا کے یہاں عام طور پر رائج ہے اور اگر اس روایت کی نظیریں تلاش کی جائیں تو دفتر کے دفتر سیاہ ہو جائیں، موٹی سی بات عرض کروں تو خود سلطان الہند عطاے رسول خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ کی حیات ہی میں ان کے خلفا کے مریدین و متوسلین کی جماعتیں وجود میں آ چکی تھیں جو براہ راست سرکار ہند سے بیعت نہ ہو کر آپ کے خلفا کے فیض یافتہ اور دست گرفتہ تھے مثلاً خواجہ فرید الدین گنج شکر رضی اللہ عنہ اپنے مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے بیعت و ارادت رکھتے تھے جب کہ اس وقت سرکار ہند بقید حیات تھے اور "ان کی ولایت کا ڈنکا بھی پورے برصغیر میں بج رہا تھا" یہاں تک کہ آپ خود ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: "میرے قطب الدین نے ایک ایسا شہباز پال رکھا ہے جس کی رسائی عرش اعظم تک ہے"۔

اصل بات یہ ہے کہ جس کا جہاں حصہ مقدر ہوتا ہے اسے وہیں سے فیض ملتا ہے اور اشارۂ غیبی بھی اسی شیخ کی طرف ہو جاتا ہے اگر چہ "دادا پیر" بقید حیات ہوں، اب اس عرفانی نظام کے ہوتے ہوئے اس مشورہ کا کوئی محل نہیں رہ جاتا کہ: " حضرت اشرف جہاں گیر کو ان کی بیعت کرنا چاہیے تھی"۔ بہر حال یہ الجھن تصوف و معرفت کی چند کتابوں کے مطالعہ سے دور کی جا سکتی ہے۔

باب مخدوم اشرف پر تاریخی مصادر:

13 : یہ باب قائم کر کے علامہ بشارت صاحب قبلہ نے اپنی جودت طبع اور اعلیٰ شعور کا ثبوت دیا ہے، باب کے تحت ان تمام ماخذ کی نشاندہی کر دی گئی ہے جن کی روشنی میں ہر دور کے محققین و قلم کار مخدومیات پر کام کرنے کے حوالے سے بآسانی اپنی منزل تک پہنچ سکیں گے اس پر مستزاد یہ کہ ان تاریخی مصادر میں جہاں جہاں مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کے متعلق کلام کیا گیا تھا ان تمام اقتباسات کو اردو ترجمہ کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے۔

پروفیسر سید شمیم الدین منعمی صاحب قبلہ نے اپنے تاثرات میں مزید علمی مصادر کی طرف اشارہ کیا ہے جن کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے، مجھے پورا وثوق ہے کہ صدیقی صاحب کی " مشینی شخصیت" ان مصادر کا سراغ لگا کر ان کے چہرے پر پڑی گرد صاف کر کے بہت جلد منظر عام پر لے آئے گی۔

راقم السطور اپنے مقالے کی آخری سطریں لکھتے ہوئے عرض گزار ہے کہ علامہ بشارت صدیقی صاحب ملازمت پیشہ ہوتے ہوئے جس طرح اسلاف شناسی کی مہم کی جواں مردی، حوصلہ، لگن اور صبر کے ساتھ قیادت کر رہے ہیں وہ یقیناً لائق صد ستائش اور صد مبارک باد ہے۔ ان کی علمی خدمات پر ارباب دانش، ملک و بیرون ملک کی علمی، ادبی اور روحانی شخصیات نے اپنی نیک خواہشات اور قیمتی تاثرات سے ان کے حوصلوں میں نئی امنگ بھری ہے، تاثرات کی طویل فہرست صدیقی صاحب کی علمی دنیا میں بڑھتی شناخت اور ان کی رسائی کا اشاریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مبارک مجموعہ کو شرف قبول بخشے، مرتب و جامع، معاونین و ناشرین اور دیگر اہل خیر کو اجر و جزا عطا فرمائے۔

•••



تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے موصول ہونا ضروری ہیں

کتاب	:	تذکرہ علماے اہل سنت اتر دیناج پور
ترتیب	:	مفتی محمد ساجد رضا مصباحی مفتی محمد عارف حسین مصباحی
صفحات	:	جلد اول ۸۰۰۔ جلد دوم: ۸۰۰
سن اشاعت	:	۱۴۴۶ھ/۲۰۲۵ء
ناشر	:	آئینۂ ہند اکیڈمی اتر دیناج پور بنگال
مبصر	:	مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی

اتر دیناج پور بنگال ہمیشہ اہل علم وادب کا مسکن رہا ہے، اس خطۂ ارض میں علم وادب کی بڑی عظیم ہستیاں جلوگر ہوئیں، معرفت وروحانیت کی عہد ساز شخصیتوں نے جنم لیا اور اپنے علمی وفکری کمالات سے نہ صرف بنگال بلکہ برصغیر کے ایک بڑے خطے کو متاثر کیا، درس وتدریس، تحقیق وتصنیف، شعروادب، وعظ وخطابت اور قیادت وامامت کے میدانوں میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جنھوں نے اتر دیناج پور کے کاروانِ اہل سنت کو صحیح سمت عطا کرنے اور معتقدات اہل سنت کے تحفظ وبقا کے لیے اپنا خونِ جگر پیش کیا، بدمذہبوں اور گمراہ فرقوں کے خلاف مسلسل محاذ آرا رہے، اس خطے میں علم دین کی شمع فروزاں کرنے کے لیے نہایت نا مساعد حالات میں مدارسِ اسلامیہ کے قیام کو اپنا اولین منصوبہ بنایا اور اس کے استحکام وبقا کے لیے در در کی خاک چھانی، ہزاروں صعوبتیں برداشت کیں، مذہب وملت کی سرفرازی کے لیے تَن مَن دھن کی قربانیاں پیش کیں اور اپنا چین وسکون تج کر امت مسلمہ کی سرخروئی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا۔

اتر دیناج پور کے انھی فرزندان ذی وقار کی حیات وخدمات کا حسین مرقع یعنی **"تذکرہ علماے اہل سنت اتر دیناج پور"** کی دو ضخیم جلدیں میرے پیش نظر ہیں، یہ دونوں جلدیں ۱۶۰۰/ صفحات پر مشتمل ہیں۔ میری معلومات کے مطابق معاصر تذکروں میں یہ سب سے ضخیم تذکرہ ہے، جس میں "اتر دیناج پور بنگال" سے تعلق رکھنے والے ۲۶۳/ اصحابِ علم وفضل، علما ومشائخ اور اربابِ علم ودانش کے تذکارِ جمیل کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ اس اہم تذکرہ میں ۱۸۹۹ء سے ۲۰۱۵ء تک کے منتخب علما ومشائخ کے تذکرے شامل ہیں۔ یہ اہم اور تاریخی کارنامہ آئینۂ ہند اکیڈمی اتر دیناج پور بنگال کے ارکان نے نوجوان صاحب فکر وقلم حضرت مفتی محمد ساجد رضا مصباحی حفظہ اللہ کی قیادت میں انجام دیا ہے۔ تذکرہ نگاروں میں حضرت مفتی محمد ساجد رضا مصباحی، حضرت مفتی محمد عارف حسین مصباحی، حضرت مولانا محمد شارب ضیا مصباحی، حضرت مولانا محمد سبحان رضا مصباحی اور حضرت مفتی غلام محمد ہاشمی مصباحی زید مجدہم کے اسما شامل ہیں۔

"تذکرہ علماے اہل سنت اتر دیناج پور" کے مرتبین حضرت مفتی محمد ساجد رضا مصباحی اور حضرت مفتی محمد عارف حسین مصباحی اتر دیناج پور کے نوجوان فضلا میں امتیازی شناخت کے حامل ہیں، ان کے علمی، فکری اور تدریسی خدمات کا دائرہ وسیع ہے، کئی محاذوں پر ان کے علمی وقلمی کاموں کا سلسلہ جاری ہے، مستقبل میں ان سے جماعت کی بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔

۸۰۰؍ صفحات پر مشتمل "تذکرہ علماے اہل سنت اتر دیناج پور" کی پہلی جلد میں کل ۱۲۸؍ علما و مشائخ اور بزرگان دین کے تذکرے شامل ہیں، یہ جلد دو ابواب پر مشتمل ہے، باب اول "نقوش رفتگاں" کے نام سے موسوم ہے، جس میں ۴۰؍ ایسے علما و مشائخ اور بزرگان دین کے تذکرے شامل ہیں جنھوں نے اتر دیناج پور کی علمی و دینی اور روحانی اقدار کے تحفظ کے لیے اپنی حیات مستعار کا اِک اِک لمحہ صرف کیا اور زندگی کے ایام پورے کر کے سوئے جنت روانہ ہو گئے۔ باب دوم "نقوش حیات" کے عنوان سے معنون ہے، اس باب میں ۸۸؍ باحیات علماے کرام کے تذکرے شامل ہیں۔ دوسری جلد بھی ۸۰۰؍ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں اتر دیناج پور کے ۱۳۳؍ باحیات علماے کرام و مشائخ عظام کے نقوش مرتب کیے گئے ہیں۔ اس طرح ۱۶۰۰؍ صفحات پر مشتمل دونوں جلدوں میں اتر دیناج پور کے کل ۲۶۱؍ علما و مشائخ کی حیات خدمات کے گل بوٹے جمع کیے گئے ہیں۔

حضرت مفتی محمد ساجد رضا مصباحی اپنی تقدیم میں لکھتے ہیں:

"تذکرہ علماے اہل سنت اتر دیناج پور" چند دنوں کی کوشش کا نتیجہ نہیں ہے اور نہ ہی تذکرہ کے نام پر چند منتشر جملے سوشل میڈیا پر نشر کر کے واہ واہی لوٹنے کا ذریعہ ہے، بلکہ اس کام کے پس منظر میں عظیم دینی مقاصد کے حصول کے لیے کئی سالوں کی جاں کاہیوں اور جاں فشانیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، اپنی تاریخ و تہذیب اور اپنے بزرگوں کے نقوش قدم کے تحفظ کا ایک جنون ہے، جس کے لیے پانچ افراد پر مشتمل آئینہ ہند اکیڈمی کی ٹیم نے کئی سالوں تک اپنی تمام تر مصروفیات کے درمیان اپنے آرام کے وقت کو اس کام میں لگایا ہے، دن کا آرام اور راتوں کی نیند قربان کی ہے، اس راہ میں ان اصحاب عزیمت نے بہت سارے "نفوس قدسیہ" کی بے رُخی، بے توجہی کا بھی سامنا کیا ہے اور ان کے خشک جملے بھی برداشت کیے ہیں، لیکن کسی بھی موڑ پر انھوں نے اپنی عزم و حوصلے کو کمزور نہیں ہونے دیا ہے۔" (تقدیم: از مفتی محمد ساجد رضا مصباحی، ص:۷۵)

جلد اول میں اتر دیناج پور کے حلقۂ علم وادب کی دو محترم شخصیات حضرت مفتی محمد ذوالفقار علی رشیدی مصباحی بانی جامعۃ الزہر للبنات ناظر پور پران نگر راساکھوا، اتر دیناج پور اور حضرت مفتی عبد الخبیر اشرفی مصباحی (متوطن مہان خاں اسلام پور اتر دیناج پور) صدر المدرسین دارالعلوم عربیہ اہل سنت منظر اسلام التفات گنج امبیڈکر نگر یوپی کی گراں قدر تقریظات شامل ہیں، جب کہ جلد دوم میں اتر دیناج پور کے دو قابل فخر علما حضرت مولانا ڈاکٹر سجاد عالم رضوی مصباحی صدر شعبۂ تاریخ پریسیڈنسی یونی ورسٹی کولکاتا مغربی بنگال اور محقق رضویات حضرت مفتی محمد عیسیٰ رضوی قادری شیخ الحدیث الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم گرسہاے گنج، ضلع قنوج یوپی کی تقریظات شامل ہیں۔ یقیناً یہ تمام تقریظ نگاران اتر دیناج پور کے آسمان علم و حکمت کے روشن ستارے ہیں۔

تقریظ نگار حضرت مفتی محمد ذوالفقار علی رشیدی مصباحی لکھتے ہیں:

"تذکرہ علماے اہل سنت اتر دیناج پور" کے تذکرہ نگاران محب گرامی مفتی محمد ساجد رضا مصباحی، عزیز ذوالقدر مفتی محمد عارف حسین قادری مصباحی، مولانا محمد شارب ضیا مصباحی، مولانا محمد سبحان رضا مصباحی اور مفتی غلام محمد ہاشمی مصباحی زید مجدہم نے کمال مہارت کے ساتھ اتر دیناج پور کے رجال علم و فن کے احوال و آثار کو مرتب کرنے کا کارنامہ انجام دے کر ماضی قریب کی تہوں میں پوشیدہ لعل و گہر کو صفحۂ قرطاس پر بکھیر دیا ہے، جن کی چمک دمک آنے والی نسلوں کے لیے خضر راہ ثابت ہوگی، بلاشبہہ ان نوجوان علما نے اتر دیناج پور کے علما و مشائخ اور ارباب فکر و قلم کے سروں سے ملت کا عظیم قرض اتار دیا ہے۔" (کلمات تحسین، جلد اول، ص:۲۶)

حضرت مفتی عبد الخبیر اشرفی مصباحی کی تقریظ کا یہ اقتباس اس تذکرے کی اہمیت و نوعیت کو اجاگر کرتا ہے:

"مشمولات کتاب پر کچھ کہنا چھوٹا منہ بڑی بات کے مترادف ہے۔ آسمان علم و فضل کے مہ و انجم کی تابانیاں قید

تحریر ہیں، قاری کے ذہن وفکران سے روشن ہوتے ہیں۔ تذکرہ نگاروں نے کمال علمی کا مظاہرہ کیا ہے۔ آداب شخصیات کا لحاظ کیا ہے۔ الفاظ کا انتخاب نہات سلیقے سے کیا ہے۔ طرز تحریر شائستہ اور شستہ رکھی ہے۔ اندازدلکش اور سادہ اپنایا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد ساجد رضامصباحی ،حضرت مفتی عارف حسین قادری مصباحی، حضرت مولانا شارب ضیامصباحی، حضرت مولانا سجان رضا مصباحی اور مفتی غلام محمد ہاشمی مصباحی قابل مبارک باد اور دعاؤں کے حق دار ہیں۔ علم وفضل کے ان ستاروں نے آسمان دیناج پور پر خوب روشنی بکھیری ہے، سر زمین دیناج پور کے ان گلوں نے بہترین گل دستہ سجایا ہے۔ ہر گل کے رنگ وبو یکساں نہیں ہیں، مثل مشہور ہے "ہر گلِ را رنگ وبوے دیگر یست" یہی وجہ ہے کہ اس گل دستہ میں چمنستان علوم وفنون سے ہر قسم کے پھول چنے گئے ہیں۔ سارے تذکرہ نگاروں نے محنت ولگن اور سعی پیہم کے ساتھ کام کیا ہے۔" (تقریظ از حضرت مفتی عبد الخبیر اشرفی مصباحی، ص:۳۲)

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد سجاد عالم عالم رضوی مصباحی صدر شعبۂ تاریخ پریسیڈینسی یونی ورسٹی کولکاتا کے بقول:

"تذکرہ علماے اہل سنت اتر دیناج پور، آئینہ ہند اکیڈمی کی برسوں کی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ اتر دیناج پور کے چند متحرک وفعال، جواں سال اور جواں ہمت علما کی ایک جماعت نے ۲۰۱۸ء میں ضلع اتر دیناج پور کے علماے اہل سنت و جماعت کی حیات کے متنوع اور مختلف گوشوں کو دستاویزی شکل میں محفوظ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور اب (۲۰۲۵ء میں) اس منصوبے کی پہلی کڑی (دو جلدوں میں) منصۂ شہود پر رونما ہو رہی ہے۔ اس تحریک کے قافلہ سالار مفتی محمد ساجد رضا مصباحی اور مفتی محمد عارف حسین قادری مصباحی ہیں۔ اس قافلے میں ان کے ہم راہی مولانا محمد شارب ضیامصباحی، مولانا سجان رضا مصباحی اور مفتی غلام محمد ہاشمی مصباحی ہیں۔ معلومات اور مواد حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اتر دیناج پور کے باحیات علماے کرام اور وفات یافتگان کے اہل خانہ اور طلبہ سے رابطے کیے۔ ان حاصل شدہ معلومات اور مواد کی تہذیب اور ترتیب پر محنت کی۔ اب وہ ان سب کو ایک مربوط بیانیے میں سجا کر قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اس طرح سے مجموعی طور ان دو جلدوں میں کل ۲۶۳ر علماے کرام کے تذکرے شامل ہیں۔ یقیناً اس مختصر مدت میں اس کام کو انجام دینا ایک قابل ستائش کارنامہ ہے۔ اور ان شاءاللہ اس کی قدردانی ضرور ہوگی۔ یہ قدردانی مزید دوبالا ہوجاتی ہے، جب ہم ملکی، ملی اور مذہبی تاریخ میں "تذکروں" کی اہمیت اور معنویت اور جدید تاریخ نگاری میں "مقامی تاریخ" (لوکل ہسٹری) کی شمولیت اور افادیت پر توجہ دیتے ہیں۔" (تقریظ از حضرت ڈاکٹر سجادعالم رضوی مصباحی ، جلد دوم، ص:۲۶)

محقق رضویات حضرت مفتی عیسیٰ قادری رضوی اس تذکرے کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تذکرہ علماے اہل سنت اتر دیناج پور" کی خصوصیات یہ ہیں کہ جو علما اب دنیا میں نہیں ہیں ان پر بھی لکھا گیا ہے اور جو موجود ہیں ان کی زندگی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، اس ترتیب میں سن وفات اور سن فراغت کا لحاظ واعتبار کیا گیا ہے، اس التزام سے اختلاف ونزاع کا دروازہ بند ہو گیا اور چوں و چرا کی گنجائش ختم ہو گئی ہے، اس سے تذکرہ نگار کی لیاقت وہوش مندی اور ان کی سلیقہ مندی کا پتہ چلتا ہے، یہ وہ ہنر ہے جو ارباب علم وادراک کے سینوں میں امانت ہے اور یہ خداے قدیر کا ودیعت کردہ ایک انعام ہے جو کسی کسی کے حصے میں آتا ہے، اس کے لیے ہم تذکرہ کے مرتبین ادیب شہیر حضرت مفتی محمد ساجد رضا مصباحی صدر شعبۂ افتا دارالعلوم غریب نواز، داہو گنج، کشی نگر اور مخزن علم و

حکمت حضرت مفتی محمد عارف حسین قادری مصباحی صدر شعبۂ افتادارالعلوم غریب نواز الہ آباد کو مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے سفر کو جس رنگ و ڈھنگ کے ساتھ پورا کیا ہے وہ لائق تحسین ہونے کے ساتھ دیگر تذکرہ نگاروں کے لیے نمونۂ عمل اور قابل تقلید ہے۔ ان دونوں حضرات نے اس راہ میں جو جدوجہد اور آبلہ پائی کی ہے اس کے لیے مزید خراج تحسین اور ہدیۂ تبریک کے لائق ہیں۔" (تقریظ از مفتی عیسیٰ رضوی قادری، جلد دوم، ص:۳۱)

کتاب کی فہرست ماہ و سال کے اعتبار سے مرتب شدہ عربی کتبِ تراجم کی یاد دلاتی ہے اور موسوعاتی اعتبار سے ترتیب یافتہ انسائیکلوپیڈیا کی چاشنی چکھاتی ہے۔ کتاب کے آغاز میں تین طرح کی فہرست شامل کی گئی ہے، پہلی فہرست میں وصال یافتہ علما و مشائخ کے ناموں کی ترتیب میں سن ولادت کا لحاظ کیا گیا ہے اور باحیات علما کی ترتیب میں ان کے سن فراغت کا لحاظ کیا گیا ہے۔ دوسری فہرست تذکرہ نگاران کے اعتبار سے ہے، تذکرہ نگار نے جتنی شخصیات کے تذکرے مرتب کیے ہیں اس فہرست میں سب کو یک جا کر دیا گیا ہے۔ تیسری فہرست حروف تہجی کے لحاظ سے ہے، ان تینوں طرح کی فہرست سے شخصیات کی تلاش میں کافی آسانی ہو گئی ہے اور کتاب کی اہمیت و افادیت دوبالا ہو گئی ہے۔

کتاب کے آغاز میں تقریظات کے علاوہ حضرت مفتی محمد عارف حسین مصباحی کی تقریب اور حضرت مفتی محمد ساجد رضا مصباحی کی مبسوط تقدیم شامل ہے۔ تقریب میں حضرت مفتی محمد عارف حسین مصباحی نے کام کی نوعیت، اسلوب اور خصوصیات پر بڑے اچھے انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ حضرت مفتی محمد ساجد رضا مصباحی کی تقدیم بہت مبسوط اور افادیت سے بھرپور ہے، ۷۳ر صفحات پر مشتمل اس تقدیم میں انھوں نے تذکرہ کی تعریف، تذکرہ کے ترکیبی عناصر، تذکرہ اور سوانح میں فرق، تذکرہ اور تاریخ میں فرق، تذکرہ اور خاکہ نویسی، عربی، فارسی اور اردو زبان میں تذکرہ کی تاریخ پر بڑی جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، انھوں نے اس ضمن میں ہندوستان میں مرتب ہونے والے تذکروں کا ایک فاضلانہ اور محققانہ جائزہ پیش کیا ہے۔ انھوں نے ہندوستان میں مرتب ہونے والے اہل سنت کے تذکروں پر بھی سیر حاصل گفتگو پیش کی ہے۔ مقدمے کے دوسرا حصہ اتر دیناج پور کی تاریخ، جغرافیہ، آبادی اور سیاسی، مذہبی اور تعلیمی صورت حال پر محققانہ اور ناقدانہ تجزیہ کیا ہے، مقدمے کے آخری حصے میں انھوں نے "تذکرہ علماے اہل سنت اتر دیناج پور" کے پس منظر و پیش منظر پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ پورا مقدمہ دلائل و شواہد سے پُر اور معلومات کا خزانہ ہے۔

"تذکرہ علماے اہل سنت اتر دیناج پور" کے مرتبین نے اس کی ترتیب و تدوین میں بڑی سلیقہ مندی سے کام لیا ہے اور اسے قابل اعتماد بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، اصحاب تذکرہ کا سوانحی مواد صاحب تذکرہ سے براہ راست رابطہ کر کے حاصل کیا گیا ہے اور تذکرہ مرتب کرنے کے بعد بھی انہیں دکھا کر تصدیق کرائی گئی ہے، وصال یافتہ علما و مشائخ کے تذکرہ مرتب کرنے کے لیے ان کے اہل خانہ سے رابطہ کر کے مواد حاصل کیا گیا ہے۔

مفتی محمد عارف حسین مصباحی اپنی "تقریب" میں لکھتے ہیں:

> "مواد و معلومات حیطۂ تحریر میں لائے گئے ہیں جو صاحب تذکرہ نے تذکرہ نگاران کو فراہم کیا ہے نیز تذکرہ مرتب کرنے کے بعد قلبی طمانیت و تسلی کے لیے صاحب تذکرہ کو دکھا بھی دیا گیا ہے اور ان کے مطابق حذف و اضافہ بھی ہوا ہے۔ اس لیے اگر کوئی بات نفس الامر اور حقیقت کے خلاف ہو تو اس کا ذمے دار خود صاحب تذکرہ ہے۔"

تذکرہ نگاری کا اپنا اسلوب ہوتا ہے، جس میں الفاظ کے انتخاب میں بہت احتیاط سے کام لیا جاتا ہے، تذکرہ علماے اہل سنت اتر دیناج پور میں اس اسلوب کو برتنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، سہل زبان، آسان اسلوب اور تعریف و توصیف میں حزم و احتیاط نے اس تذکرے کی اہمیت و افادیت میں چار چاند لگا دیا ہے۔

یوں تو یہ اتر دیناج پور سے تعلق رکھنے والے ۲۶۳ر علما و مشائخ کا تذکرہ ہے، لیکن ضمناً اس میں سیکڑوں مدارس، مساجد، تحریکوں اور تنظیموں کا تعارف نیز یہاں کے مصنفین، مؤلفین اور شعرا و ادبا کی کاوشوں کا تجزیہ بھی شامل ہو گیا ہے۔ تذکرہ نگاروں نے اصحاب

تصانیف علما کی نگارشات پر خاص طور سے روشنی ڈالی ہے اور ان کے تعارف وتجزیہ کا کام سلیقے سے کیا ہے۔ پھر ان علما و مشائخ نے جن مدارس و مکاتب میں تعلیم حاصل کی ہے یا تدریس کے فرائض انجام دیے ہیں، اختصار کے ساتھ ان کا تعارف بھی پیش کر دیا ہے۔ اس طرح یہ تذکرہ ایک تاریخی دستاویز بھی ہو گیا ہے جو مستقبل میں حوالے کے طور پر استعمال ہو گا اور تاریخ نویسوں کو تاریخی کڑیاں ملانے میں اس سے بڑی مدد ملے گی۔

یہ بات بھی باعث مسرت ہے کہ تذکرہ علماے اتر دیناج پور کی یہ دونوں جلدیں آخری نہیں ہیں، اس کے بعد بھی آئینۂ ہند اکیڈمی کے ارکان تین جلدوں کی ترتیب کا منصوبہ رکھتے ہیں جس میں باقی ماندہ علما و مشائخ کے تذکرے شامل ہوں گے۔

علماے اتر دیناج پور اس لحاظ سے بھی قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کی طباعت واشاعت کے مصارف کا انتظام جیب خاص سے کیا اور تذکرہ نگاروں کے لیے ایک بڑا مرحلہ آسان کر دیا، ان کی سخاوت وفیاضی کی وجہ سے پورے آب و تاب کے ساتھ یہ ضخیم جلدیں منظر عام پر آسکی ہیں۔

اس تذکرہ کی اہمیت وافادیت کے لیے جماعت اہل سنت کے معتمد و مستند عالم دین خیر الاذکیا **حضرت علامہ محمد احمد مصباحی** دامت برکاتہم القدسیہ وہ مکتوب جو انھوں نے مرتب تذکرہ حضرت مفتی محمد ساجد رضا مصباحی کے نام لکھا ہے، کافی ووافی ہے۔ حضرت مصباحی صاحب قبلہ لکھتے ہیں:

عزیزم مولانا ساجد رضا مصباحی

سلام مسنون

آپ کی مہربانی سے "تذکرہ علماے دیناج پور" کی دونوں جلدیں رجسٹرڈ ڈاک سے موصول ہوئیں، شکریہ اور دعاے فراواں۔

اگر پیشگی اطلاع دے کر آپ پوری قیمت اور ڈاک خرچ کے ساتھ V.P کرتے تو بھی یہاں وصول کی جاتی، کیوں کہ "اعلام الھند" کے لیے اس کی سخت ضرورت تھی۔ تین طرح کی فہرست دے کر قارئین کے لیے بڑی آسانی فراہم کر دی گئی ہے۔

حالات جمع کرنے اور سلیقے سے مرتب کرنے میں آپ حضرات نے جو مشقتیں اٹھائی ہیں، ان کا اندازہ دُور سے نہیں ہو سکتا، اگرچہ اب ذرائع کی سہولتیں ہیں، پہلے براہ راست ملاقات یا ڈاک کے ذریعہ خط وکتابت ہی کا سہارا تھا، پھر بھی کسی بڑے کام کے لیے دانش مندانہ منصوبہ بندی اور مسلسل حرکت وعمل ضروری ہے، جو آپ حضرات نے پوری جواں مردی اور حوصلہ مندی سے انجام دے کر دکھایا، آپ لوگوں کے لیے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ **"مردوں کو زندہ کیا اور زندوں کو مرنے نہ دیا، اس مسیحائی کو دیکھیں سبھی سونے والے"**

براہ کرم تمام شرکاے کار کو میری طرف سے مبارک باد پیش کریں۔

رب کریم آپ حضرات کو صحت وسلامتی کے ساتھ شاد وآباد رکھے اور مزید دینی وعلمی کاموں کی توفیق جمیل سے نوازے۔ والسلام۔

محمد احمد مصباحی

ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

المجمع الاسلامی

۲۰ر محرم الحرام ۱۴۴۷ھ /۱۶ جولائی ۲۰۲۵ء چہار شنبہ

یقیناً استاذ گرامی حضرت مصباحی صاحب قبلہ کے یہ جملے اس تذکرے کو سند اعتبار عطا کرتے ہیں اور تذکرہ نگاروں کے حوصلوں کو مہمیز کرنے والے ہیں۔ اپنی تاریخ کی حفاظت اور اپنے بزرگوں کی سیرت وسوانح کو محفوظ کرنے کے لیے اس نہج پر ہر ضلع اور ہر صوبہ میں کام ہونا چاہیے۔

کتاب کی طباعت عمدہ اور تزئین دل کش ہے، کمپوزنگ کی بعض غلطیاں رہ گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تذکرہ نگاروں کی اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ اسے لائبریری اور ذاتی کتب خانوں کی زینت بنائی جائے، خاص طور سے اتر دیناج پور کے ہر عالم دین کو اسے حاصل کرنا چاہیے۔•••

ذکر مبارک

مولانا مبارک حسین مصباحی: دینی صحافت کے لیے ہمیشہ یاد کیے جائیں گے

از: مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی : شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا

(۱۸/ ذی الحجہ سنہ ۱۴۴۷ھ مطابق ۱۴/ جون ۲۰۲۶ء کی شب جمعہ میں وفات ہوئی۔)

رات کے بارہ بجنے ہی والے تھے کہ یہ الم ناک خبر ملی کہ ماہنامہ اشرفیہ کے ایڈیٹر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ رٰجعون۔

صبح تعزیت کے لیے ان کی قیام گاہ ٹیچرس کالونی جامعہ اشرفیہ گیا۔ وہاں نعیم ملت حضرت مولانا نعیم الدین عزیزی صاحب اور دیگر اہل خانہ موجود تھے۔ ان کی اطلاع کے مطابق رات ساڑھے گیارہ بجے کے قریب مولانا کی روح قفس عنصری سے پرواز ہوئی۔ بعد نماز جمعہ ۲ بجے ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں ان کی نماز جنازہ عزیز ملت حفظہ اللہ کی اقتدا میں ادا کی گئی۔

ان کی وفات پر چند تعزیتی کلمات لکھنے کے لیے قلم اٹھایا لیکن اس کے ساتھ اپنے کچھ تاثرات اور احساسات کو بھی قلم بند کر دیا۔ میں ان کلمات کے ساتھ مرحوم کے جملہ پس ماندگان، عزیز و اقارب، ان کی اہلیہ اور چاروں صاحب زادیوں، خصوصا ان کے خسر عزیز سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ مصباحی حفظہ اللہ کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں۔ اللہ عزو جل انھیں صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ للہ ما اخذ و اعطی و کل شئی عندہ الی اجل مسمی۔

ذِکرِمبارک

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے کثیر فارغین مختلف شعبوں میں اپنی نمایاں خدمات اور کارناموں کی وجہ سے افق ہند پر روشن و منور ہوئے مگر جس ذات گرامی نے مذہبی اور دینی صحافت کی دنیا میں نقوش ثبت کیے اور اس میدان میں اپنی خوبیوں اور کمالات کی بدولت شہرت و بلندی کے نصف النہار پر پہنچے اسے اہل علم و خرد ”مبارک حسین مصباحی“ کے نام سے جانتے ہیں۔

تین دہائیوں سے زائد جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ترجمان ”ماہنامہ اشرفیہ“ کی تسلسل کے ساتھ ادارت کر کے ماہنامہ اشرفیہ کے سب سے طویل عرصے تک مدیر رہنے کا ریکارڈ قائم کیا۔

مذہبی صحافت میں ایک مدیر کی ذمہ داریاں بھی کافی ہوتی ہیں۔ مضامین کا انتخاب، احوال و زمان پر نظر اور اس کے متعلق قارئین کے لیے فکری مضامین، تحریر میں شرعی اور مذہبی امور کی رعایت، ادارہ کی ترجمانی کا پاس و لحاظ۔ ان سب کے ساتھ ادارتی صفحات کو ناظرین کے لیے دل چسپ اور معلومات افزا بنانا مولانا کے قلمی اوصاف سے ہے۔ ہم نے ان کے جو اداریے پڑھے ان سے یہ احساس اجاگر ہوا۔ مولانا جب تک صحت مند رہے ان امور کی اپنی نظر و فکر کے لحاظ سے خوب رعایت کی اور ماہنامہ اشرفیہ کو خوب سے خوب ترَ کی طرف لے جانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا نام آتے ہی فوراً لوگوں کا ذہن ماہ نامہ کی جانب چلا جاتا، گویا مرحوم اور ماہنامہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کر گئے ہوں۔

مولانا کے عہد ادارت میں کئی ایک بہترین نمبر اور خصوصی شمارے بھی شائع ہوئے جسے ان کے کامیاب ادارتی کارناموں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

۱۳۲۰ صفحات پر مشتمل سیدین نمبر تواس باب میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے علاوہ متعدّد نمبر اور خصوصی شمارے اور بھی ہیں۔ نمبر میں، پیغمبر اعظم نمبر، انوار حافظ ملت نمبر، صدر الشریعہ نمبر، تعلیمی کنونشن نمبر۔

خواجہ غریب نواز نمبر، فقیہ اعظم ہند نمبر، جشن شارح بخاری نمبر، انقلاب ۱۸۵۷ء نمبر شامل ہیں۔

خصوصی شماروں میں فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی، رئیس القلم علامہ ارشد القادری، مفتی اعظم راجستھان مفتی اشفاق حسین نعیمی کی وفات پر شائع کردہ خصوصی شمارے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ پر خصوصی گوشہ شامل ہے۔

خصوصی شماروں کے ضمن میں ایک بات بطور خاص قابل ذکر ہے۔

سنہ ۲۰۰۴ء میں جب شعبۂ مجلس شرعی کی نشاۃ ثانیہ اور ارکان کی تجدید کاری ہورہی تھی تو مولانا مرحوم بھی اس کے رکن منتخب ہوئے۔ مولانا نے اس کے رکن ہونے کی حیثیت سے بہترین ذمہ داری اس طور پر نبھائی کہ مجلس شرعی کے سیمینار کے بعد ماہنامہ اشرفیہ کا سیمینار کے متعلق خصوصی شمارہ شائع کرتے۔ اس کی تفصیلات کو ادارتی صفحات میں جگہ دیتے، اداریہ لکھتے اور سوال نامہ تلخیص مقالات، اسمائے مندوبین اور تاثرات کو شامل کر کے اسے ہر سیمینار کا خصوصی شمارہ بنا دیتے۔ ان کی ادارت میں مجلس شرعی کے سیمیناروں کے اٹھارہ (۱۸) مقبول خصوصی شمارے شائع ہوئے۔ جس کے لیے مجلس شرعی مولانا کی ہمیشہ شکر گزار اور دعا گو رہے گی۔

مولانا مرحوم، صاحب تصنیف و تالیف بھی تھے۔ ''بر صغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب'' ان کی تحریری خدمات کی فہرست میں ایک ایسا نام ہے کہ اگر ان کی کوئی اور تحریر نہ ہوتی تو یہی کتاب ان کے تعارف اور انھیں زندہ رکھنے کے لیے کافی تھی۔ اس کے علاوہ خلیج کا بحران۔ ایک تفصیلی جائزہ، پیام سیرت عشق رضا کی سرفرازیاں، اسلام اور ہندوستانی مذاہب میں تصور روحانیت، جہان رئیس القلم، شہر خموشاں کے چراغ نامی کتابیں شائع ہو کر داد و تحسین وصول کر چکی ہیں۔

مولانا ایک بہترین خطیب بھی تھے۔ کثیر جلسوں اور کانفرنسوں میں خصوصی خطیب کی حیثیت سے مدعو ہوئے۔ ان کے خطابت کی زبان اور انداز بیان عمدہ ہوتا تھا یہی وجہ ہے کہ جب تک صحت مند رہے کثرت کے ساتھ اجلاس میں مدعو کیے جاتے تھے۔

اللہ عزوجل نے انھیں تعمیری و تنظیمی صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا۔ تنظیم ابنائے اشرفیہ کے قیام اور اس کے جنرل سکریٹری کی ذمہ داری، میڈیا سیمینار کا انعقاد، المجمع المصباحی کا قیام اور سکریٹری شپ، دار العلوم اہل سنت جامعہ طیبہ شاہ آباد ضلع رام پور کی بنیاد اور صدارت۔ یہ سب مولانا کی تنظیمی اور تعلیمی صلاحیتوں کے تعارف کے لیے کافی ہیں۔

مولانا مرحوم ہمیں داغ مفارقت تو دے گئے لیکن ان کی خدمات آج بھی زندہ ہیں جو انھیں ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔ اللہ عزوجل مولانا کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے پس ماندگان متعلقین، عزیز و اقارب کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

شریک غم

محمد نظام الدین الرضوی

شیخ الحدیث و خادم افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۴۷ھ/ ۱۰/ جون ۲۰۲۶ء شب چہار شنبہ

اشک باریاں

اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

فخر صحافت، ادیب شہیر حضرت **مولانا مبارک حسین مصباحی** علیہ الرحمۃ کی رحلت پر

علماے اہل سنت کے تعزیتی کلمات

ترتیب: مولانا محمد شارب ضیا رضوی مصباحی

فخر صحافت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی علیہ الرحمۃ اہل سنت وجماعت کے ممتاز ادیب وصحافی تھے، وہ بیک وقت اچھے استاذ، باکمال خطیب اور باوقار صاحب فکر وقلم تھے۔ مورخہ ۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۴۷ھ مطابق ۴/ جون ۲۰۲۶ء شب جمعہ وصال فرما گئے، یقیناً ان کا وصال علم وادب کی دنیا کا عظیم خسارہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے وصال سے برصغیر کی علمی فضا سوگوار ہوگئی، اہل سنت کے علما ومشائخ اور ملک وبیرون ملک کی خانقاہوں نے ان کے لیے ایصال ثواب کا اہتمام کیا، مغفرت کی دعائیں کی گئیں اور پس ماندگان کی خدمت میں تعزیتی کلمات پیش کیے گئے، ہم یہاں چند خاص تعزیت نامے شامل کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں: **محمد ساجد رضا مصباحی**

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم. نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خانقاہِ برکاتیہ کے اراکین اور متوسلین کو حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی، مدیر ماہ نامہ اشرفیہ کے سانحۂ ارتحال کی خبر موصول ہوئی۔ ہم سب کے دل بے حد رنجیدہ ہیں۔ مولانا موصوف مرحوم ومغفور الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے ایک بے حد متحرک، فعال، مرنجا مرنج اور بااخلاق رکن شمار کیے جاتے تھے اور ہند وبیرون ہند جامعہ اشرفیہ کی ایک باوقار اور پُرعزم نمائندگی بھی فرماتے تھے۔ ان سب کے علاوہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا معروف جریدہ ماہ نامہ اشرفیہ ہمیشہ ان کی پُرخلوص علمی اور صحافتی خدمات کا مرہون منت رہے گی۔ انہوں نے ماہ نامہ اشرفیہ کو ایک مخصوص مذہبی صحافت کی نہج سے متعارف کرایا اور بے حد معلوماتی، سنجیدہ اور عوام الناس کے کام آنے والے مضامین کی اشاعت کرکے ماہ نامہ اشرفیہ کو عوام وخواص کے مابین نہ صرف مقبول کرایا بلکہ استناد اور اعتماد کے ساتھ اس رسالے کے اقبال کو بلند کرنے میں اپنی کام یاب سعی فرمائی۔

مولانا مرحوم ومغفور ایک اچھے صحافی ہونے کے ساتھ ایک خطیب اور مبلغ بھی تھے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ بے حد انکساری کے ساتھ عوام وخواص سے رابطے میں تھے، جس سے ان کی شناخت جامعہ اشرفیہ کے نمایاں نمائندے کے طور پر ہوتی تھی۔

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ اور اس کے مشن کے لیے مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب ہمیشہ بے حد مخلص رہے اور تواتر وتسلسل کے ساتھ ماہ نامہ اشرفیہ میں خانقاہ برکاتیہ اور اس کے اراکین کی خدمات کو نمایاں طور پر شائع کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے، بالخصوص ماہ نامہ اشرفیہ کا "سیدین نمبر" ان کی صحافتی خدمات کا ایک ممتاز شاہ کار ہے، خانقاہ کے اعراس میں پابندی کے ساتھ نیاز مندانہ حاضری ہمیں بہت دنوں

تک یاد رہے گی۔ ایسے ہی اراکین خانقاہ برکاتیہ کے جامعہ اشرفیہ میں حاضر ہونے کے موقع پر ان کی تواضع اور خلوص بھی ہم سب کو ان کی یاد دلاتا رہے گا۔

یقیناً مولانا مبارک حسین مصباحی کی رحلت کو سوادِ اعظم اہل سنت کی مذہبی صحافت میں ایک خلا تصور کیا جائے گا۔ ایسے سلجھے ہوئے صاحبانِ قلم اب عنقا ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم خادمانِ خاندانِ برکات سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ حضرت عزیز ملت کی خدمت میں صمیم قلب سے تعزیت پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرماتے ہوئے ان کے اہل خانہ وتمام احباب ومتوسلین واراکین جامعہ اشرفیہ کو صبر جمیل کامل عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔

سید محمد امین قادری	**سید اشرف**	**سید نجیب حیدر نوری**
سجادہ نشین، خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ	خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ	سجادہ نشین، خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ

خانقاہ عالیہ قادریہ چشتیہ بلگرام شریف

انتہائی رنج وغم کے ساتھ یہ اطلاع موصول ہوئی کہ عالمی شہرت یافتہ علمی وتحقیقی ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کے نامور ایڈیٹر ادیب شہیر، نازش قرطاس وقلم مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کا انتقال پُر ملال ہوگیا ہے، یہ سن کر صدمہ ہوا، یقیناً آپ کا وصال علمی دنیا کا بڑا خسارہ ہے، مرحوم نے جامعہ اشرفیہ میں تدریس کے ساتھ ماہ نامہ اشرفیہ کی علمی وتحقیقی ادارتی خدمات بھی ایک لمبے عرصے تک انجام دی۔ آپ کی یہ خدمات آپ کو ہمیشہ زندہ رکھیں گی، حضرت کو ہماری خانقاہ سے عقیدت تھی، کئی بار خدمت کا موقع فراہم کیا، ابھی ایام علالت میں بھی چند روز پہلے تشریف لائے تھے۔

ہم ادارہ کے تمام ذمے داران کارکنان، اہل خانہ اور متعلقین سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، نیز پس ماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔

سید اویس مصطفیٰ واسطی قادری

سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ چشتیہ بڑی سرکار

محلہ میدان پورہ، بلگرام شریف، ضلع ہردوئی

خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف

سوشل میڈیا اور مختلف ذرائع سے خبر ملی کہ جماعت اہل سنت کے معروف عالم دین، قلم کار اور ممتاز مذہبی صحافی مولانا مبارک حسین مصباحی رحمہ اللہ کی رحلت ہوگئی، یقیناً اس خبر سے دل بہت مغموم ہے۔ تغمدہ اللہ بواسع رحمتہ واسکنہ فسیح جنانہ۔

مولانا موصوف والد گرامی حضور تاج دار اہل سنت قدس سرہ سے بے پناہ محبت فرماتے، برادر گرامی حضور شہید بغداد قدس سرہ اور فقیر سے آپ کے راست اور بے تکلفانہ مراسم تھے، آستانہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کی متعدد تقریبات اور بالخصوص عرس قادری میں

آپ نے بحیثیت مہمان خصوصی شرکت فرمائی اور اپنے خطابات میں ہمیشہ خانقاہ کی علمی ودینی سرگرمیوں پر خوشی و مسرت کا اظہار کیا اور مختلف حلقوں میں برملا اس کا اعلان بھی کیا جو خانقاہ عالیہ قادریہ سے آپ کی گہری نسبت پر بین دلیل ہے۔

حضور تاج دار اہل سنت قدس سرہ کے وصال کے بعد جب آپ نے فقیر کی دعوت پر عرس قادری میں شرکت فرمائی اور آپ کی خدمت میں حضور تاج دار اہل سنت کی سوانح حیات پر مشتمل کی گئی تو آپ نے از خود ماہ نامہ اشرفیہ میں ایک طویل تبصرہ شائع کیا، جس میں خانقاہ قادریہ کی تاریخ، عظمت اور قلمی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کرکے اپنی مستحکم وابستگی کا اظہار فرمایا۔

آپ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے استاذ اور ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ تھے۔ درس وتدریس اور صحافت کے علاوہ آپ نے درجنوں کتابیں تصنیف فرمائیں اور اہل سنت کے لیے ایک یادگار سرمایہ چھوڑا۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنے علاقے میں ایک ادارے کی بنیاد ڈالی اور قوم کی فلاح و بہبود میں اہم رول ادا کیا۔ آپ کے اخلاق حسنہ اور عمدہ سیرت و کردار قابل تقلید بھی ہیں اور لائق ستائش بھی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مولانا مبارک حسین صاحب کا وصال جماعت اہل سنت اور بالخصوص جامعہ اشرفیہ کا ناقابل تلافی نقصان ہے، فقیر اس غم میں برابر کا شریک ہے۔ رب قادر و مقتدر سے دعا ہے کہ مولانا موصوف کی خدمات قبول فرمائے اور ان کے اہل خانہ، جملہ احباب و متعلقین کو صبر کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین، بجاہ حبیبہ الکریم ﷺ

شریک غم:

فقیر محمد عطیف قادری بدایونی۔ خادم خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف

دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

جہان قرطاس و قلم معروف ترین شخصیت، ادیبِ شہیر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کی رحلتِ ملت اسلامیہ کا عظیم خسارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بے حساب مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مولانا موصوف جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے مؤقر استاذ تھے۔ بیک وقت ایک اچھے مدرس، مایہ ناز مقرر اور صاحبِ طرز ادیب و محقق تھے۔ یہ تینوں خوبیاں کم ہی لوگوں کے اندر جمع ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے آپ ایک نادر المثال شخصیت کے مالک تھے۔

سیدین نمبر، دو عظیم شخصیتیں، ”شہر خموشاں کے چراغ“ کی تصنیف و تالیف اور ماہنامہ اشرفیہ کی شان دار ادارت آپ کی زندگی کے وہ عظیم کارنامے ہیں جو رہتی دنیا تک یاد کیے جائیں گے۔

دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی سے آپ کا گہرا تعلق رہا، بحیثیتِ خطیب یہاں آپ کی آمد بھی ہو چکی ہے۔ یہاں کے اساتذۂ کرام سے آپ کے گہرے روابط رہے ہیں۔

ادارے کے اساتذۂ کرام، اراکین اور طلبہ آپ کی وفات پر تعزیت پیش کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور جماعتِ اہلِ سنت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔

سوگوار:

امید علی صدیقی

صدر المدرسین دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی، یوپی و جملہ اساتذۂ کرام واراکین

حضرت مفتی مجاہد حسین رضوی مصباحی

اہلِ سنت و جماعت کے لیے یہ خبر انتہائی روح فرسا ہے کہ گزشتہ شب جمعہ تقریبًا بارہ بجے نازشِ صحافت حضرت مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی کا انتقال پر ملال ہو گیا۔ ﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ﴾۔ آپ سرکار تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے خلیفہ، سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے بڑے داماد، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے استاذِ نامدار، ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے مدیرِ اعلیٰ، متعدّد کتابوں کے مصنف اور گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ کی تدریسی، تحریری، تقریری اور صحافتی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ آپ کا وصال پوری جماعت کا ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔

اس موقع پر ناچیز جانشین حضور حافظِ ملت، عزیزِ ملت حضرت علامہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ، سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، نبیرۂ حضور حافظ ملت، شہزادۂ حضور عزیزِ ملت حضرت مولانا نعیم الدین عزیزی صاحب زید مجدہم استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، مرحوم کے تمام اہل خانہ، بالخصوص مرحوم کی اہلیہ، ان کی اولاد امجاد کی خدمات میں تعزیت پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ رب العزت اپنے محبوب ﷺ کے صدقے مرحوم کی جملہ لغزشوں سے درگزر کرکے ان کی مغفرت فرمائے، ان کی تمام علمی، ادبی، دینی اور ملی خدمات اپنی بارگاہ میں شرف قبول بخشے، جنۃ الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، جملہ پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے اور جماعت کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین یارب العالمین۔

محمد مجاہد حسین رضوی مصباحی

سابق استاذ و صدر دارالافتاء دارالعلوم غریب نواز، الہ آباد

۱۸؍ ذوالحجہ ۱۴۴۷ھ/ ۵؍ جون ۲۰۲۶ء، جمعہ مبارکہ

حضرت مولانا شاکر نوری بانی سنی دعوت اسلامی

بعض شخصیات محض افراد نہیں ہوتیں بلکہ اپنے اندر ایک ادارہ، ایک فکر اور ایک روایت سموئے ہوتی ہیں۔ حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی شخصیات میں سے تھے، جن کی ذات علم، تحقیق، صحافت اور دعوت و اصلاح کا حسین امتزاج تھی۔ آج ان کے وصال کی خبر نے دل کو غم زدہ کر دیا۔ ایک ایسا عالم رخصت ہوا جس نے اپنی پوری زندگی علم کی خدمت، قلم کی آبیاری اور اہلِ سنت کی فکری رہنمائی میں صرف کر دی۔

حضرت مولانا مرحوم کا شمار ان اہلِ علم میں ہوتا تھا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اظہارِ بیان کی دونوں قوتوں، یعنی تحریر اور تقریر، سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ ان کی تحریروں میں علمی وقار، فکری پختگی اور ادبی شائستگی نمایاں ہوتی تھی، جب کہ ان کی گفتگو میں سنجیدگی، استدلال اور دل نشینی کا ایسا امتزاج پایا جاتا تھا جو سامع کو متاثر کیے بغیر نہ رہتا تھا۔

"ماہنامہ اشرفیہ" کے ساتھ ان کی وابستگی محض ایک مدیر کی حیثیت سے نہیں تھی، بلکہ وہ اس کے فکری معمار اور علمی نگہبان تھے۔ ان کی ادارت میں یہ رسالہ اہلِ علم کے لیے ایک معتبر علمی دستاویز کی حیثیت اختیار کر گیا۔ ان کے قلم سے نکلنے والے اداریے صرف حالاتِ حاضرہ پر تبصرے نہیں بلکہ فکر و بصیرت کے آئینہ دار مضامین ہوتے تھے۔

تصنیف و تحقیق کے میدان میں بھی ان کی خدمات قابلِ قدر ہیں۔ تاریخ، دعوت، اتحادِ امت اور ملی مسائل پر ان کا مطالعہ نہایت وسیع تھا۔ ان کی تحریروں میں محض معلومات نہیں بلکہ ایک دردمند دل کی دھڑکن سنائی دیتی تھی۔ انہوں نے اپنے علمی ورثے کی صورت میں ایسی یادگاریں چھوڑی ہیں جو مدتوں اہلِ علم کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں علم کے ساتھ تواضع بھی عطا فرمائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شاگرد، رفقاء، احباب اور متعلقین آج یکساں طور پر ان کے

فراق کا غم محسوس کر رہے ہیں۔

مدینہ طیبہ میں حاضری کے دوران دل کی گہرائیوں سے حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے وطفیل ان کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے، ان کی علمی و دینی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ نیز حضور عزیز ملت دامت برکاتہم، خانوادۂ مصباحی، تلامذہ، متعلقین اور تمام سوگواران کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

آج ایک شخص کا انتقال نہیں ہوا، بلکہ علم و قلم کی دنیا کا ایک خاموش مگر مؤثر چراغ بجھ گیا ہے، جس کی روشنی مدتوں اہلِ علم کے دلوں اور ذہنوں میں باقی رہے گی۔ اللهم اغفر له وارحمه وأسكنه الفردوس الأعلى من الجنة. آمین یا رب العالمین۔

(مولانا) محمد شاکر نوری

امیر سنی دعوت اسلامی، ممبئی، نزیل حال مدینہ منورہ

مفتی صابر رضا محب القادری اتر دیناج پور

۴ر جون شب جمعہ یہ روح فرسا خبر سن کر دل لرز اٹھا اور کلیجہ دھک سا رہ گیا کہ فخر صحافت عظیم مفکر و مدبر حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی راہی خلد ہو گئے، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رٰجِعُونَ۔

عرش پر دھومیں مچیں کہ وہ مومن صالح ملا
فرش سے طوفان اٹھے کہ وہ طیب گیا طاہر گیا

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی قدس سرہ اہل سنت و جماعت کی قابل فخر علمی درس گاہ اور عظیم دانش گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے درخشاں فرد تھے، زبان و قلم کے رمز شناس، صاحب طرز ادیب و محقق، ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ اور درجنوں علمی و تحقیقی کتابوں کے مصنف تھے، تاحین حیات تدریس، تصنیف، صحافت اور خطابت کے ذریعے اہل سنت کی نمائندگی فرماتے رہے، آپ کی گفتگو میں فکر و عمل کا عنصر نمایاں ہوتا تھا، اگرچہ آپ بے شمار خوبیوں کے مالک تھے، لیکن ان تمام اوصاف میں اخلاق و کردار کا حسن، اصاغر نوازی، افراد سازی اور نوجوان اہل علم کی حوصلہ افزائی کا وصف آپ کو اپنے معاصرین اور اقران میں ممتاز کرتا تھا۔

راقم کو مظفر پور کے ایک دینی جلسے میں آپ کے ساتھ قربت کا موقع ملا، اتفاق سے آپ اور حضرت علامہ مفتی امان الرب رضوی قدس سرہما بھی مدعو تھے، قیام گاہ میں دیر تک نیاز و ملاقات کا شرف حاصل رہا، آپ نے بے پناہ محبت، شفقت اور خلوص سے نوازا، قریب سے دیکھا آپ کی ذات میں تصنع تفاخر اور خود نمائی کی کوئی جھلک نہ تھی، حقیقت یہی ہے کہ آپ اپنے نام اور کام دونوں اعتبار سے مبارک تھے۔

ماہنامہ اشرفیہ کے گزشتہ کئی رسالوں میں آپ نے راقم کی بعض تحریروں کو شائع فرما کر حوصلہ افزائی کی تھی، آپ کے وصال کی خبر سے متاثر ہو کر ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے اپنے گھر کا کوئی بزرگ اور مشفق فرد ہم سے جدا ہو گیا ہو۔

بلاشبہ اچانک انتقال کر جانا، ایسا ملی علمی اور جماعتی خسارہ ہے، جس کی تلافی آسان نہیں، آپ کی علمی خدمات صحافتی کاوشیں، فکری رہ نمائی اور تربیتی نقوش مدتوں یاد رکھے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کامل مغفرت فرمائے، درجات بلند کرے، اور پس ماندگان متعلقین تلامذہ اور اہل سنت کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

صابر رضا محب القادری نعیمی غفرلہ

پرنسپل: مدرسہ فیض مجیب خانقاہ محمد پور، کشن گنج بہار

وہ ظلمتوں کو خامۂ تنویر دے گیا

زیبِ قرطاس وقلم، فخرِ صحافت، مدیر ماہنامہ اشرفیہ، مفکر قوم وملت، ممتاز ادیب وخطیب
حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی نور اللہ مرقدہ استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی یاد میں۔

از: مولانا سلمان رضا فریدی مصباحی بارہ بنکوری، مسقط عمان

لعلِ سخن ، جواہرِ تحریر دے گیا
بزمِ قلم کو اک نئی توقیر دے گیا

اُس کی رگوں میں خوں کی جگہ روشنائی تھی
وہ ظلمتوں کو خامۂ تنویر دے گیا

کردار جاوداں ہے مبارک حسین کا
تخریب میں بھی وہ رہِ تعمیر دے گیا

بیتاب ہے جہانِ سخن اس کی موت پر
اہلِ سنن کو صدمۂ دِل گیر دے گیا

رب مغفرت کرے کہ ضیاے قلم سے وہ
ذرّوں کو بھی اُجالے کی تاثیر دے گیا

الفاظ کو ستاروں کے پیکر میں ڈھال کر
کاغذ پہ کہکشاں کی وہ تصویر دے گیا

لکھتا رہا وہ فیضِ عزیزی کی چھاؤں میں
وہ ہم کو علم و حکمت و تدبیر دے گیا

ترویجِ ماہنامۂ اشرفیہ کر کے وہ
اعزاز کا ذریعۂ اِکسیر دے گیا

فکر رضا سے اس کا قلم تابدار ہے
وہ شر کو زیر کرنے کی شمشیر دے گیا

لاکھوں دلوں کو ذوق ادب سے سنوار کر
چشمِ خیال و خواب کو تعبیر دے گیا

مدھم نہ ہوں گی اُس کے دبستاں کی رونقیں
کیا رنگ وہ ادیبِ جہاں گیر دے گیا

اہل قلم نہ بھولیں گے اُس کی محبتیں
وہ طرزِ فن نوازی کی تفسیر دے گیا

دل خود ہے قید جس کے حصارِ خلوص میں
اپنوں کو چاہتوں کی وہ زنجیر دے گیا

اُس ساقیِ ادب پہ فریدؔی ہوں رحمتیں
ملت کو جام آگہی وہ میر دے گیا

تاریخ وصال:

۱۸؍ ذی الحجہ ۱۴۴۷ھ
۴؍ جون ۲۰۲۶ء شبِ جمعہ مبارکہ

The Paigham-e-Mustafa Quarterly

Under Management: **Tanzim Ashiqane Musstafa,** Shahpur Bazar
P.S. Goalpokher, Uttar Dinajpur, West Bengal - 733210
E-mail:paighamemustafa2018@gmail.com